علماء کرام، مشائخ اور مبلغین کے لئے

اندازِ تبلیغ و تربیت

مصنف

انوار اللہ طیبیؔ

خادم شعبہ تبلیغ و تربیت آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف

پی۔ایچ۔ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، کراچی یونیورسٹی

حضرت صاحب

حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ

کا

اندازِ

تبلیغ و تربیت

مصنف

انوار اللہ طبّی

خادم شعبہ تبلیغ و تربیت آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف

پی۔ایچ۔ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، کراچی یونیورسٹی

نام کتاب ------------------ اندازِ تبلیغ وتربیت
مصنف ------------------ انوار اللہ طیبی
کمپوزنگ ------------------ زوجہ انوار اللہ طیبی
تقدیم ------------------ مولانا عابد حسین طیبی
ٹائیٹل ڈیزائیننگ ------------------ ماجد حسین طیبی
ناشر ------------------ ادارہ ''فیضانِ کرم''
سن اشاعت ------------------ 2006ء
قیمت ------------------ 40روپے

...... ملنے کا پتہ ......

(1) دربارِ عالیہ آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف ضلع اوکاڑہ
(2) جامع مسجد حضرت کرماں والا بلاک 1 گلستانِ جوہر کراچی

رابطہ نمبر: 321-2073884

انتساب

اپنے مرشد گرامی

بابا جی سید میر طیب علی شاہ بخاری

سجادہ نشین

آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف

کے نام

جن کی توجہ ہی سے میری ہمت ہے......

فہرست

مقصدِ تصنیف

ہم جس زمانے میں جی رہے ہیں یہ مسلمانوں کی ابتری اور انتشار کا زمانہ ہے۔غور طلب بات یہ ہے کہ آج اسلام کی تبلیغ واشاعت کے جو مواقع موجود ہیں، ماضی میں ان کا تصور بھی نہیں تھا۔ ذرا غور فرمایئے! آج ہمارے پاس ایسے T.V چینلز ہیں جو چوبیس گھنٹے اسلامی نشریات کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں ۔ ہمارے پاس اسلامی تحقیقاتی ادارے اور اسلامی لٹریچر کی بہترین اشاعت کے پرنٹنگ پریس بھی پہلے سے زیادہ اور جدید ہیں۔ ہمارے درمیان پہلے سے بہتر خطیب ومقرر، مفکر و دانشور، خوش الحان قاری اور اچھے نعت خوان موجود ہیں۔ ہمارے ہاں ایسی تنظیموں اور جماعتوں کی بھی کمی نہیں ہے جن کا منشور اسلام کی تبلیغ واشاعت ہے۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اپنی عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے میں ابھی تک ناکام ہیں؟

راقم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے یہی سوال ہمیشہ شعور اور فکر کے دروازوں پر دستک دیتا آیا ہے۔ پھر جیسے جیسے شعور میں پختگی آئی اور اسلام کی تعلیمات سے کچھ واقفیت پیدا ہوئی تو کھلی آنکھوں ایسے حقائق کو دیکھ لیا جن میں اس دیرینہ سوال کا جواب موجود تھا۔

راقم نے واضح طور پر دیکھا کہ ہمارے یہاں کے دینی لوگوں کا وطیرہ

محض ایک دوسرے کی تغلیط ہے۔ دینی تنظیموں اور جماعتوں کا انداز بھی ایک دوسرے کے لئے انتہائی منافرانہ ہے، یہاں تک کہ بعض نے تو اپنے کلمہ گو بھائیوں کا خون بھی حلال قرار دے دیا ہوا ہے۔ ان تنظیموں اور جماعتوں کے ورکرز اسلام کے لئے نہیں بلکہ اپنی اپنی تنظیموں کے لئے کام کرتے ہیں۔ کئی تنظیموں نے اسلام کی بالادستی کے لئے اقتدار کا خواب دیکھا اور اس مقصد کے لئے اپنی ساری توانائیاں سیاسی جدوجہد اور عسکری طاقت کے حصول میں صرف کر دیں۔ کچھ لوگوں نے عقائد کو درست کئے بغیر صرف عمل ہی کو اخروی نجات کا وسیلہ سمجھ لیا۔ بعض نے عمل کی حیثیت کو کم کرتے ہوئے صرف عقائد کی درستی پر زور دیا (حالانکہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔)۔ بایں ہمہ ان میں شدت پسندی کا جذبہ از حد ہے۔ ان تمام عوامل کا نتیجہ یہ کہ عام لوگوں کی دین سے دلچسپی کم ہوتی چلی گئی ہے اور لوگ دینی لوگوں سے reserve رہنے لگے ہیں، کیونکہ حقیقی اسلام کو پنپنے کے لئے نفرت کی نہیں محبت کی فضا چاہیے۔

ایسی صورتِ حال میں کسی بھی قوم کی کیا حالت ہوگی اس کا اندازہ باآسانی لگایا جا سکتا ہے۔

اگر ہم آج سے چند صدیاں پیچھے جا کر امت مسلمہ کی حالت کو جاننے کی کوشش کریں کریں تو ہمیں کچھ ایسے لوگ نظر آئیں گے جنہوں نے کسی سیاسی اقتدار کے بغیر، بہت کم دنیاوی اسباب اور کسمپرسی کے عالم میں دنیا کے انتہائی قدیم، تاریخی اور روایتی معاشروں میں انقلاب برپا کر دیئے۔ یہ لوگ درحقیقت اسلام کے مبلغ تھے اور عوام میں صوفیا اور اولیاء کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔ ان مبلغین میں چشتی، قادری، سہروردی اور نقشبندی سلاسل کے معروف اولیاء

عظام ہیں۔ اِن بزرگوں کی تبلیغ و تربیت سے اُن لوگوں کے سینے اسلام کے نور سے منور ہوئے جو اپنی تہذیب وثقافت اور دھرم و آشرم کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اُس دور میں ہمیں کسی تبلیغی و اصلاحی جماعت یا جہادی تنظیم کا وجود بھی نہیں ملتا لیکن اس دور کے لوگوں میں تقویٰ اور پرہیزگاری کا معیار آج سے کہیں بہتر تھا۔ راقم ان لوگوں سے جو آج اسلام کی بالادستی چاہتے ہیں اور اس کے لئے مخلصانہ طریقے سے کوشاں ہیں درخواست گزار ہے کہ اس نکتے پر سنجیدگی سے غور و فکر کریں اور اولیاء عظام کے اندازِ تبلیغ و تربیت کو مشعل راہ بنائیں۔

سوءِ اتفاق کہ عموماً تذکرہ نویسوں نے اولیاء عظام کے حالات قلمبند کرتے ہوئے ان کی کرامات کو ہی بیان کیا ہے۔ شاید اسی لئے عام قاری نے اپنے ذہن میں ولی کے ساتھ اظہارِ کرامت کا ایک گہرا رشتہ قائم کر لیا ہے، گویا اولیاء کا اصل کام صرف کرامات دکھانا ہی ہے۔ عوام الناس یہی سمجھنے لگے ہیں کہ جو زیادہ عجیب اور محیر العقول کام کر دکھائے وہ زیادہ بڑے مرتبے کا ولی ہوتا ہے۔ لکھاریوں کا یہ رجحان اولیاء عظام کی زندگیوں کے تبلیغی اور اصلاحی پہلوؤں کی طرف عام لوگوں کی توجہ نہیں ہونے دیتا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مقامِ ولایت اور اظہار کرامت میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو خوب واضح کیا ہے اور یہاں تک لکھا ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا بھی ضروری نہیں۔ اسی بات کو اگر عقلی معیار پر پرکھیں تو عقل یہ کہتی ہے کہ اگر مافوق العادت واقعات کا ظہور ہی ولایت کی شرط ہوتا تو بہت سے ایسے لوگ آج بھی اس دنیا میں موجود ہیں جو اپنے کرتبوں سے عقلِ

انسانی کو حیرت زدہ کر دیتے ہیں، لیکن وہ ولی اللہ تو کیا مسلمان بھی نہیں، وہ عیسائیت، ہندومت یا بدمت کے پیروکار ہیں۔

درج بالا صورتِ حال کے پیشِ نظر راقم کے دل میں یہ دیرینہ خواہش تھی کہ اولیاءِ عظام کے اندازِ تبلیغ و تربیت پر کام کرنا چاہیے تاکہ دورِ حاضر کے مبلغین اور عامۃ المسلمین کی راہنمائی کا باعث ہو۔ چنانچہ چند مہینے پہلے زمانہ قریب کے عظیم روحانی بزرگ سید محمد اسماعیل شاہ بخاری المعروف حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ سے اس کام کی ابتدا کی اور آپ کے اندازِ تبلیغ و تربیت پر کام شروع کیا۔

گرامی قدر قارئین! آپ کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا کہ اولیاء عظام کی کثیر تعداد میں سے حضرت صاحب حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ سے ہی اس کام کی ابتدا کرنے کی وجہ اور محرک آپ کا صرف ایک قول ہے جو راقم کے لئے ہمیشہ متاثر کن رہا۔ اگر آپ بھی ملاحظہ فرمائیں تو اس کی اثر آفرینی کی حلاوت اپنے دل کی گہرائیوں میں ضرور محسوس کریں گے۔ آپ کا ارشاد ہے۔

"مردے زندہ کر دینا یا دل کی باتوں کو جان لینا کوئی کمال نہیں، یہ تو شعبدہ بازیاں ہیں۔ اصل کمال تو یہ ہے کہ سنتِ مبارکہ کی پابندی کی جائے اور لوگوں کو اس پر عمل پیرا کیا جائے۔"

خوش قسمتی سے راقم شروع ہی سے آپ کی خانقاہِ عالیہ سے روحانی طور وابستہ ہے اس لئے ان لوگوں کی کثیر تعداد سے ذاتی طور پر شناسا ہے جنہوں نے براہ راست آپ سے تربیت حاصل کی ہے۔ راقم نے ان لوگوں سے معلومات

جمع کر کے حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے اندازِ تبلیغ وتربیت کے مختلف پہلوؤں کو الفاظ کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ راقم اپنی ناتوانی اور بے بضاعتی کے باوجود اس کوشش میں کتنا کامیاب ہوا؟، یہ فیصلہ تو قارئین ہی کریں گے لیکن اس موضوع پر کام شروع کرنے کی اور سبقت لے جانے کی جو سعادت راقم کے حصے میں آئی ہے اس پر اللہ کریم کا بے حد شکر گزار ہے۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اس کتاب کو مقبولیتِ عامہ عطا فرما کر سب کے لئے نافع بنا دے۔ راقم، راقم کے معاونین اور اس کتاب کے قارئین کے لئے اسے اخروی نجات کا ذریعہ بنا دے۔ اے اللہ! میری، میرے والدین کی اور تمام مؤمنین کی مغفرت فرما دے۔ آمین بجاہ النبی الامین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

انواراللہ طیبی

تقدیم

مختصر تعارف
حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب

مولانا محمد اکرام مؤلف ''معدنِ کرم'' لکھتے ہیں:

آپ کا اسم گرامی ''سید محمد اسماعیل شاہ بخاری ہے''۔ آپ کا سلسلہ نسب سادات اُچ شریف حضرت جلال الدین سرخ بخاری سے ملتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد سندھ سے سرزمین پنجاب میں آئے۔ اور مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر سکونت اختیار کرتے رہے۔ آپ کے بزرگوار جد امجد بالآخر تیرہویں صدی ہجری کے شروع میں دریائے ستلج کے کنارے ضلع فیروز پور کی حدود میں آکر آباد ہو گئے۔ آپ کے والد سید سید علی شاہ المعروف سید سکندر علی شاہ اپنی خاندانی وجاہت، نیکی اور پاک بازی کی وجہ سے علاقہ کے لوگوں میں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

ولادت باسعادت

آپ کا سن ولادت ۱۲۹۷ھ یا ۱۲۹۸ھ ہے۔ سن عیسوی کے مطابق یہ مبارک سال ۱۸۸۳ء یا ۱۸۸۴ء تھا۔

بچپن

آپ کے والد گرامی کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا۔ اور آپ اپنے گاؤں کو چھوڑ کر کرموں والا میں اپنے چچا سید قطب الدین شاہ کے پاس آگئے۔ (بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کے حالات لکھتے ہوئے کرموں والا کو آپ کا مولد اور آبائی گاؤں قرار دیا ہے جو کہ درست نہیں) آپ اپنے چچا سے بہت زیادہ مانوس تھے۔ زیادہ وقت ان کے پاس ہی گزارتے۔

ابتدائی تعلیم

جب آپ نے ہوش سنبھالا تو مکتب کی طرز پر تعلیم شروع کروائی گئی۔ ایک متقی اور شریف الطبع استاد نے آپ کو بسم اللہ کرائی اور قرآن کریم ناظرہ پڑھنے کے بعد آپ نے مروجہ عربی و فارسی کتب کی تعلیم حاصل کی۔ اس مقصد کے لیے آپ اپنے علاقے ہی میں مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ (جو سلسلہ چشتیہ کے شیخ بھی تھے) کے مدرسہ میں داخل ہوئے۔

اعلیٰ دینی تعلیم کا حصول

ابتدائی کتب پڑھ لینے کے بعد آپ تقریباً بیس سال کی عمر میں اعلیٰ دینی علوم کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان دنوں سہارنپور میں مدرسہ

مظاہر العلوم کا تعلیمی معیار کافی اچھا سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ نے وہیں کا قصد کیا۔ بوقت رخصت آپ کے شفیق چچا نے فرمایا:

''برخوردار! وہ علم حاصل کر کے آنا جس سے مخلوق خدا کو نفع پہنچے۔ نہ کہ وہ علم جو خشک ہو اور صرف قیل وقال تک محدود ہو۔''

چچا کی اس نصیحت سے آپ کے دل میں علم وعمل کی ایک لگن پیدا ہو گئی۔ اور یہ بات آپ کے ذہن میں نقش ہو چکی تھی کہ علم وہی فائدہ مند ہے جس سے عمل صالح کی راہیں ہموار ہوں۔ مدرسہ مظاہر العلوم سے تکمیل علم کی سند حاصل کر کے آپ نے دہلی میں مدرسہ مولوی عبدالرب میں دورہ حدیث کیا۔

مؤلف ''معدن کرم'' مولانا محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں:

''قیام دہلی کے دوران ایک موقع پر مدرسہ میں مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی۔ ایسی مجالس اس مدرسہ میں وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی تھیں۔ نو آموز طلباء کثیر تعداد میں شریک محفل تھے۔ علمی تقریریں ہو رہی تھیں۔ طلباء اپنی قابلیت کے جوہر دکھا رہے تھے۔ صدر مجلس نے آپ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ''پنجابی! آپ بھی کچھ کہیں گے۔'' مشفق استاد کا اشارہ پا کر آپ تقریر کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے آیت مبارکہ ''این ما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدة'' تلاوت فرمائی اور اس کی تفسیر میں اردو زبان میں ایسی تقریر دل پذیر کی کہ سب اساتذہ عش عش کر اٹھے اور آپ کے ہم عصر ہندوستانی طلباء انگشت بدنداں رہ گئے۔ دنیا کی بے ثباتی اور یاد الٰہی کی اہمیت کو نہایت وضاحت سے بیان فرمایا۔ اس دن سے اساتذہ آپ کو عزت کی نگاہ سے

دیکھنے لگے۔"

آپ مدرسہ نعمانیہ لاہور میں بھی کچھ عرصہ زیر تعلیم رہے۔ ان دنوں یہ مدرسہ جامعہ عالمگیری (بادشاہی مسجد) سے ملحق تھا۔ اور بڑے بڑے فاضل علماء یہاں درس وتدریس کا کام سرانجام دیتے تھے۔ حصول علم کے لیے آپ برصغیر کے دوسرے مدارس میں بھی زیر تعلیم رہے، جن کی تفصیل کی یہ سطور متحمل نہیں۔

﴿روحانی علوم کا حصول﴾

جن دنوں آپ مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں زیر تعلیم تھے تو آپ نے مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ چشتیہ کی نسبت حاصل کر لی تھی۔ (مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ چشتیہ کے عظیم روحانی پیشوا خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے) جب آپ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد واپس لوٹے تو مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ مگر آپ کے دل میں ایک اور ہی لگن اور تڑپ پیدا ہو چکی تھی جو آپ کو ہر وقت بے قرار رکھتی۔ آپ کے سینے میں روحانی علم کے حصول کی بے پناہ تشنگی پیدا ہو چکی تھی۔

ایک روز ایک مجذوب نے آپ کو اشارۃً شرق پور شریف (ضلع شیخوپورہ) جانے کے لیے کہا۔ آپ اسے اشارہ غیبی سمجھ کر شرقپور شریف روانہ ہو گئے۔ ان دنوں شہر لاہور سے جنوب مغرب کی جانب قصبہ شرقپور شریف میں شبلی دوراں، جنید زماں، قدوۃ العارفین، زبدۃ الواصلین حضرت میاں شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے آفتاب عالم تاب بن کر آسمان طریقت پر

چمک رہے تھے۔ توحید و رسالت کے پروانے دیوانہ وار اس شمع دل افروز کے جمع ہو رہے تھے۔ تمام ہندوستان میں آپ کے تقویٰ اور علم و عرفان کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ جب میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں حاضری ہوئی تو فرمایا:

''شاہ جی! کچھ علم بھی پڑھا ہے؟''

عرض کیا: ''حضور پڑھا تو ہے لیکن سمجھ میں نہیں آیا۔''

قبلہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اللہ کریم سمجھ بھی عطا فرما دیں گے۔''

اس پہلی ملاقات میں حضرت میاں صاحب نے آپ کو نسبت نقشبندیہ القاء فرمائی اور دیر تک توجہ عالیہ سے مستفیض فرمایا اور بعد ازاں مسند ارشاد پر بٹھا دیا اور اس پر طرفہ یہ کہ ایک خادم بھی ہمراہ کیا جس کا نام میاں بالا تھا اور وہ آخری دم تک آپ کی خدمت میں رہا۔

جب ضلع فیروز پور اور اس کے گرد و نواح سے طالبان طریقت حضرت میاں صاحب کے پاس شرقپور شریف میں حاضر ہوتے تو آپ فرماتے: ''وہاں شاہ صاحب حضرت کرماں والے موجود ہیں، ان سے مل لیا کرو ایک ہی بات ہے، اتنی دور آنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''حضرت کرماں والے'' کی وجہ تسمیہ

آپ سے حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا:

''شاہ صاحب! کہاں سے آئے ہیں؟''

عرض کیا:

''کرموں والا سے۔''

فرمایا:

''کرموں والا نہیں، حضرت کرماں والا۔''

اس کے بعد آپ کا یہی لقب زبان زد خاص و عام ہو گیا اور آپ کے اصلی نام (سید محمد اسمٰعیل شاہ) پر بھی غالب آ گیا۔

﴿ہندوستان سے ہجرت﴾

۱۹۴۵ء تک آپ موضع کرموں والا میں مقیم رہے۔ یہی مقام مرجع خاص و عام بنا رہا۔ لوگ جوق در جوق اس آستانہ عالیہ پر اکتساب فیض کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ پاکستان بننے سے دو سال پہلے آپ اپنے گاؤں کرموں والا کو چھوڑ کر فیروز پور چھاؤنی کے قریب موضع اچھے والا میں اقامت پذیر ہو گئے۔ دو سال کا عرصہ آپ نے اسی موضع میں ایک چھوٹے سے خیمہ میں گزار دیا۔ اس خیمہ میں آپ کے بستر، کپڑوں کی گٹھڑی اور چند کتابوں کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ مؤلف ''معدن کرم'' مولانا اکرام صاحب لکھتے ہیں:

''اسی جگہ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا: ''مولوی صاحب! ایسی جگہ ہونی چاہیے جہاں مکانات قبلہ رخ ہوں، پاس ہی پکی سڑک ہو، ریلوے لائن ہو اور نہر ہو۔ سب ساتھ ساتھ ہو۔ تاکہ بیلیوں (دوستوں) کو آمد و رفت میں آرام رہے۔ وہاں سے ریل میں سوار ہو کر سیدھا مدینہ شریف چلیں۔'' کے معلوم تھا کہ آپ موجودہ حضرت کرماں والا شریف کا نقشہ اپنی نظر کے سامنے رکھ کر زبان

مبارک سے اس کی نشان دہی فرما رہے تھے۔ اور مدینہ شریف سے آپ کی کیا مراد تھی؟ یقیناً وصال محبوب ﷺ کی طرف اشارہ تھا۔''

پاکستان بننے کے بعد آپ قصور سے ہوتے ہوئے پاک پتن شریف پہنچے اور پاک پتن شریف کی تحصیل عارف والا کے ایک گاؤں EB 57 میں ۱۹۵۰ء تک قیام فرمایا۔ پھر کچھ عرصہ بعد اوکاڑہ کے قریب 2-L 56 میں آپ کو مکان اور زرعی اراضی ہندوستانی جائیداد کے متبادل الاٹ ہوگئی جو ہندوستان میں آپ کی جائیداد کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر تھی۔ لیکن آپ نے اسے قبول فرمایا اور 2-L 56 میں مستقل رہائش اختیار فرمائی۔ یہ گاؤں جسے ''پکا چک'' کہا جاتا تھا آپ کی برکت سے ''حضرت کرماں والا شریف'' بن گیا۔

وصال مبارک

آپ تقریباً پندرہ سال حضرت کرماں والا شریف (اوکاڑہ) میں خلق خدا کو توحید و رسالت کے نور سے منور کرتے رہے۔ اور بالآخر علم و عرفان، رشد و ہدایت کا یہ آفتاب ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ بمطابق ۲۰ جنوری ۱۹۶۶ء کو ہماری ظاہری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ لیکن ان کی نورانیت کا اجالا آج بھی باقی ہے۔ اللہ کریم بے شمار رحمتیں آپ کی روح پاک پر نازل فرمائے۔

﴿اولاد و خلفاء﴾

آپ کی اولاد میں دو بیٹیاں اور چار بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک صاحب زادی اور دو صاحب زادوں کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا۔ آپ کے وصال کے وقت ایک صاحبزادی اور دو صاحب زادے سید محمد علی شاہ صاحب اور سید عثمان علی شاہ صاحب آپ کی یادگار موجود تھے۔ عمر کے لحاظ سے آپ کی صاحب زادی بھائیوں سے بڑی تھیں اور آپ کی طرف سے مستورات کی رشد وہدایت کے فرائض سرانجام دیتی تھیں۔ آپ نے اپنے دونوں صاحب زادوں کو خلافت واجازت سے نوازا تھا۔ ان کے علاوہ کوئی اور آپ کا خلیفہ مجاز نہ تھا۔

﴿آپ کی خانقاہِ عالیہ کے سجادہ نشین﴾

آپ کا وصال ہوا تو سلسلہ عالیہ کے بزرگوں نے متفقہ طور پر آپ کے بڑے بیٹے سید محمد علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت کرماں والا شریف کا سجادہ نشین مقرر کیا۔ ان بزرگوں میں مکان شریف کے سجادہ نشین سید محفوظ حسین شاہ، شرقپور شریف کے سجادہ نشین حضرت میاں غلام احمد اور کیلیانوالہ شریف کے سجادہ نشین سید باقر علی شاہ بخاری رحمھم اللہ شامل تھے۔ سید محمد علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ۲۷ سال مسند رشد وہدایت پر فروزاں رہے۔ اس دوران ۱۹۷۸ء میں آپ کے چھوٹے بھائی سید عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ۱۹۹۱ء میں آپ کے اکلوتے فرزند سید غضنفر علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ وصال فرما چکے تھے۔ ۱۹۹۳ء میں جب سید محمد علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی وصال ہوگیا تو حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کی اولادِ نرینہ میں سے صرف دو افراد سید صمصام علی

شاہ بخاری اور سید میر طیب علی شاہ بخاری دامت برکاتھم القدسیہ موجود تھے۔ سید محمد علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ختم چہلم کے موقع پر ان بزرگوں نے ہی سید میر طیب علی شاہ بخاری کو حضرت کرماں والا شریف کا دوسرا سجادہ نشین مقرر کیا جنہوں نے سید محمد علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اولاً سجادہ نشین مقرر کیا تھا۔ نور احمد مقبول مؤلف ''خزینہ کرم'' لکھتے ہیں:

''رسم چہلم ۱۶ جولائی ۱۹۹۳ء کے موقع پر میر طیب علی شاہ بخاری کو دربار عالیہ نقشبندیہ حضرت کرماں والا شریف کا سجادہ نشین ثانی مقرر کیا گیا۔ دستار بندی آستانہ عالیہ مکان شریف کے سجادہ نشین سید محفوظ حسین شاہ صاحب نے اپنے مبارک ہاتھوں سے فرمائی۔ اس موقع پر میاں غلام احمد شرقپوری، میاں جمیل احمد شرقپوری، میاں خلیل احمد شرقپوری اور آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ کے سجادہ نشین پیر سید باقر علی شاہ بخاری و دیگر سجادہ نشین دربار عالیہ چشتیاں شریف، دھولر شریف، بھلیر شریف، حضور صاحب ریناله خورد اور دیگر علماء کرام موجود تھے۔ بعد ازاں ہزاروں مریدین نے قبلہ پیر سید میر طیب علی شاہ بخاری کو سجادہ نشین ہونے پر دلی مبارکباد پیش کی۔''

از

علامہ عابد حسین طیبی

ادارہ معارف القرآن کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط والحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِین

صَلَّی اللّٰہُ علیٰ حَبِیبِہٖ محمدٍوّاٰلِہٖ وَسَلَّم

......تبلیغ وتربیت کا مفہوم

تبلیغ کا لغوی مفہوم ''پھیلانا'' اور ''پہنچانا'' ہے اور اصطلاحی وشرعی مفہوم ''امر بالمعروف ونھی عن المنکر ''یعنی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے۔

تربیت کا لغوی مطلب ہے ''نشوونما دینا یا بڑھا دینا'' اور شرعی اصطلاح میں انسانی نفس کی اصلاح اور اس کی روح، عقل اور جسم کے تمام پہلوؤں کی نشوونما کرکے اس کو حد کمال تک پہنچا دینا اور کامل مؤمن بنا دینا تربیت کہلاتا ہے۔

......تبلیغ اور تربیت میں فرق

تبلیغ ہر مسلم اور غیر مسلم کے لئے ہوتی ہے اور تربیت صرف مسلمان کے لئے، کیونکہ پہلے تبلیغ کے ذریعے مسلمان کیا جاتا ہے اور پھر تربیت کرکے کامل مؤمن بنایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں تبلیغ یک طرفہ ہوسکتی ہے جب کہ تربیت دو طرفہ

ہی ہوتی ہے، یک طرفہ نہیں ہوسکتی، یعنی ''تبلیغ'' کے لئے ضروری نہیں کہ آپ جس کو تبلیغ کرنا چاہتے ہوں وہ مثبت رویہ ہی اپنائے ممکن ہے تبلیغ کے بدلے میں آپ کو گالیاں سننی پڑیں یا کسی طرح بھی ناروا سلوک کا سامنا کرنا پڑے۔ اس کے برعکس ''تربیت'' میں تربیت دینے والے اور تربیت لینے والے دونوں کی رضامندی ضروری ہوتی ہے اور دونوں میں محبت و پیار کا ایک مقدس رشتہ موجود ہوتا ہے۔ یہ رشتہ جتنا مضبوط اور گہرا ہوتا ہے، تربیتی عمل اتنا ہی بہتر اور نتیجہ خیز ہوتا ہے۔

...... تبلیغ کے اصول ......

ایک کامیاب مبلغ کی تبلیغ دو طرح سے ہوتی ہے۔

(1) قول کے ساتھ (2) فعل (یا کردار) کے ساتھ

(1) قول کے ساتھ تبلیغ

قول کے ساتھ تبلیغ کے بارے ارشادِ خداوندی ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ. (النحل : ۱۲۵)

''(اے محبوب ﷺ) آپ انہیں اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے۔ اور ان سے بحث (مباحثہ) اس انداز سے کیجئے جو

بڑا پسندیدہ ہو۔''

اللہ رب العزت نے اس آیت مبارکہ میں قول کے ساتھ تبلیغ کے تین اہم اصول بیان فرمائے ہیں:

(۱) حکمت کے ساتھ تبلیغ کرنا۔ (۲) عمدہ وعظ ونصیحت کرنا۔ (۳) پسندیدہ بحث ومباحثہ کرنا۔

(2) فعل (یا کردار) کے ساتھ

فعل یا کردار کے ساتھ تبلیغ کے لئے مبلغ کو چاہیے کہ جو کچھ کہے اس سے زیادہ کر کے دکھائے یا کم ازکم اس کے قول اور فعل میں مطابقت ہونا تو ازحد ضروری ہے۔اس کی مثال یوں ہے کہ اللہ تعالی نے ہر دور میں اپنے احکام بندوں تک پہنچانے کے لئے ایسی شخصیات کو مبعوث فرمایا جنہوں نے ان احکام کا عملی نمونہ پیش کیا۔رسول کریم ﷺ نے جو کچھ تبلیغ فرمائی اس سے کہیں زیادہ عمل فرمایا۔امت پر پانچ نمازیں فرض ہیں آپ نے اتنی زیادہ پڑھیں کہ اللہ تعالی نے ''قم اللیل الا قلیلا'' نازل فرمایا، امت پر سحر اور افطار کے ساتھ روزے فرض ہوئے، آپ نے سحر اور افطار کے بغیر وصالی روزے رکھے، امت پر مال میں سے چالیسواں حصہ زکوۃ فرض ہوئی، آپ نے اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ فرما دیا، الغرض آپ ﷺ کے بارے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

''بے شک رسول گرامی کی ذات با برکات میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے''

......تربیت کے اصول......

جو تبلیغ کے لئے اصول ہیں وہ تربیت کے لئے بھی ہیں۔ البتہ تربیت کے لئے ''حکمت'' کی اہمیت قدرے زیادہ ہے۔ حکمت کا مطلب ہے مناسب موقع پر، مناسب طریقے سے، مناسب کام کرنا۔

مربی (تربیت کرنے والا) کو بعض اوقات سختی سے بھی کام لینا پڑتا ہے لیکن یہ سختی ہر ایک پر نہیں ہوسکتی۔ مربی حکمت سے کام لیتے ہوئے اپنے زیر تربیت افراد کی طبیعت اور نفسیاتی کیفیت کو جانتا ہے اور جس پر سختی مناسب ہو اس پر سختی کرتا ہے اور جسے مزید شفقت کی ضرورت ہو اس پر نرمی کرتا ہے۔ اس کو مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ ایسا پودا جو ابھی چھوٹا ہو اس کو تو پانی اور کھاد وغیرہ دی جاتی ہے تا کہ اچھی طرح سے اس کی نشو و نما ہو سکے لیکن جو تناور درخت بن چکا ہو اس کی شاخوں اور ٹہنیوں کی کانٹ چھانٹ کی جاتی ہے تا کہ اس کو خوبصورت بنایا جائے۔

اسی طرح آپ نے دیکھا ہوگا کہ کچھ زمینیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو زرخیز بنانے کے لئے کسان کو بہت محنت کرنا پڑتی ہے جبکہ بعض زمینیں بہت جلد اور معمولی محنت کے بعد کاشت کے قابل ہو جاتی ہیں۔

جب مربی (تربیت کرنے والا) کسی کی تربیت کرتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ زیر تربیت فرد کے خیالات، احساسات اور ماحول سے مکمل

طور پر آگاہ ہو۔اس کے ساتھ ساتھ تربیت حاصل کرنے والے پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر مربی کے سپرد کردے اور کسی قسم کے منفی خیالات یا شکوک وشبہات کو ذہن میں جگہ نہ دے۔مزید براں یہ بات ہر وقت پیش نظر رکھے کہ وہ ایک خاص قسم کے تربیتی عمل سے گزر رہا ہے جس میں کامیاب ہونے کے لئے اسے کسی بھی طرح کے ناساز حالات سے دوچار ہونا پڑسکتا ہے۔

مربی پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے زیر تربیت افراد کی تربیت کے لئے ہی ہمہ وقت کوشاں رہے اور ان کی خود سپردگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے ذاتی اغراض ومقاصد کے حصول کی کوشش نہ کرے۔کسی بھی مربی کا ایسا کردار نہ صرف تربیتی عمل پر انتہائی منفی طریقے سے اثر انداز ہوگا بلکہ زیر تربیت افراد کے ذہنوں کو شکوک وشبہات کے دلدل میں پھنسا کر پورے تربیتی نظام کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔ہم اس بات کی تائید میں باباجی سید میر طیب علی شاہ بخاری سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف کی تقریر کا ایک اقتباس ہدیۂ قارئین کررہے ہیں۔آپ نے 28 فروری 2006ء کو حضرت کرماں والا شریف میں منعقدہ سالانہ محفل عرس کی دوسری نشست سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''صاحب طریقت، سجادہ نشین یا پیران عظام اگر لوگوں کی روح کو پاک کررہے ہیں اور ان کا تزکیہ کررہے ہیں پھر تو وہ اپنی مسند کا حق ادا کررہے ہیں۔اور اگر ان کا مقصد صرف ضیافت، سلام کروانا، نذرانے وصول کرنا اور

اپنی Ego (انا) کو تسکین دینا ہے، کبھی اجتماع دیکھ کر، کبھی نعرے سن کر، کبھی القاب سن کر تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ اپنی مسند کا حق ادا نہیں کر رہے۔ بلکہ یہ رہبانیت ہے۔ جو اللہ والے ہوتے ہیں وہ لوگوں کا تزکیہ کرتے ہیں۔''

تبلیغ وتربیت کے درج بالا مسلمہ اصول بیان کرنے بعد آیئے! حضرت صاحب (حضرت کرماں والے) رحمۃ اللہ علیہ کے اندازِ تبلیغ وتربیت کا جائزہ لیتے ہیں۔ ہم پہلے آپ کے ''اندازِ تبلیغ'' پر بات کریں گے اور پھر ''اندازِ تربیت'' کو زیرِ بحث لائیں گے۔

اندازِ تبلیغ

(1).........حکمت کے ساتھ تبلیغ کرنا۔

(2)...........عمدہ وعظ ونصیحت کرنا۔

(3)...........پسندیدہ بحث ومباحثہ کرنا۔

(4)فعل (یعنی کردار) کے ساتھ تبلیغ کرنا۔

آپ کا حکیمانہ اندازِ تبلیغ

آپ کا نام نامی اسم گرامی تو ''سید محمد اسماعیل شاہ بخاری'' ہے لیکن اپنے پیر و مرشد حضور میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو ''حضرت کرماں والا'' کا خطاب عطا ہوا تھا۔ سچ ہے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو ایسی طاقت عطا فرماتا ہے کہ وہ مستقبل میں جھانک کر آئندہ ہونے والے واقعات معلوم کر لیتے ہیں ورنہ اس وقت کون جانتا ہوگا کہ آج جس نوجوان کو شرقپوری سرکار سے ''حضرت کرماں والا'' کا خطاب عطا ہو رہا ہے کل کو اس کے کرم کی دھوم مچ جائے گی اور پھر یہ شرقپوری فیضان اس زور سے برسے گا کہ کرم کے دریا بہا ڈالے گا۔ یہاں تک کہ اس عظیم بارگاہ سے ملنے والا یہ الہامی خطاب اس کا صفاتی نام بن کر ذاتی نام پر غالب آ جائے گا۔ اور دنیا ''سید محمد اسماعیل شاہ بخاری'' کو ''حضرت کرماں والا'' کے نام سے ہی جانے اور پہچانے گی۔

آپ کے پاس لوگ عرض، مرض اور قرض کی درخواستیں لے کر آتے تھے لیکن آپ اپنے حکمت بھرے اندازِ تبلیغ سے ان کے سیرت و کردار کو یوں بدلتے کہ مادی چیزوں کے متلاشی قربِ الٰہی کی منزلیں طے کرنے لگتے۔

رب کریم نے تو جواب نہیں دیا

یہ ساہیوال کے ایک زمیندار ہیں۔ ان کا نام ملک رب نواز لنگڑیال ہے۔ جوانی میں شراب نوشی کی کثرت سے تپ دق میں مبتلا ہو گئے تھے۔ مرض

نے اتنی شدت اختیار کی کہ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ زندگی سے مایوس ہو گئے۔ لاہور سے ساہیوال آتے ہوئے سوچا کہ اب زندگی کا تو کوئی بھروسہ نہیں ہے کیوں نہ یہاں راستہ میں اتر کر حضرت صاحب حضرت کرماں والوں کی خدمت میں حاضری دے لی جائے۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں آ پہنچے۔ آپ سائلوں کے ہجوم میں تشریف فرما تھے اور باری باری سب کی معروضات سن رہے تھے اور سب کی جھولیاں کرم کے خزانوں سے بھرپور فرما رہے تھے۔ ان کی باری آئی تو عرض کیا:

''حضرت! تپ دق (ٹی۔بی) نے میرے پھیپھڑوں کو ناکارہ بنا دیا ہے اور ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے''

آپ نے فرمایا:

''ڈاکٹروں نے جواب دیا ہے۔ رب کریم نے تو جواب نہیں دیا''

دراصل آپ ان کی توجہ دنیاوی اسباب سے ہٹا کر تمام اسباب کو پیدا کرنے والے رب کریم کی طرف لگانا چاہتے تھے۔ آپ کا یہ انداز تبلیغ نہایت حکیمانہ تھا۔

پھر آپ نے لنگر کی لسی کا ایک پیالہ منگوایا اور ملک صاحب کو پینے کا حکم دیا۔

اگر آپ کوئی ایسی چیز انہیں کھانے کے لیے دیتے جو تپ دق کے لیے فائدہ مند ہوتی تو ہو سکتا تھا ان کے ذہن میں یہ خیال آتا کہ مجھے اس چیز کے کھانے سے فائدہ ہوا ہے۔ اس لیے آپ نے انہیں وہ چیز دی جو ڈاکٹروں کے

نزدیک تپ دق کے لیے نقصان دہ تھی ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انہیں عملاً مشاہدہ ہو جائے اور یہ عقیدہ راسخ ہو جائے کہ چیزوں میں بیماری اور شفا کی تاثیر پیدا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر وہ چاہے تو بیماری بڑھانے والی چیز میں شفا کی تاثیر پیدا فرما دے۔

ملک صاحب تھوڑی دیر اندر ہی اندر ہچکچائے کیونکہ لسی تو ان کے مرض کے لیے نہایت مضر تھی۔ پھر سوچا ڈاکٹروں کے کہنے پر لسی سے پرہیز بھی کیا تو کیا حاصل ہوا؟ آج اس ولی اللہ کے کہنے پر لسی ضرور پینی چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے پیالہ اٹھایا اور ایک ہی سانس میں ختم کر ڈالا۔ پھر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لنگر سے روٹی کے بچے ہوئے کچھ ٹکڑے منگوائے اور ملک صاحب کو کھلائے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں محسوس ہوا کہ ان کی طبیعت سنبھل رہی ہے۔ آپ سے اجازت لے کر ساہیوال آئے تو سوچا دوبارہ ڈاکٹر کو چیک کروانا چاہیے۔ چنانچہ جس ڈاکٹر سے ان کا علاج ہو رہا تھا اور اس نے ان کو لاعلاج قرار دے دیا تھا اسی کے پاس دوبارہ چیک کروانے کے لئے چلے آئے۔ ڈاکٹر نے ایکس۔رے لیا اور دیکھا تو اسے بیماری کی کوئی علامت نظر نہ آئی۔ ڈاکٹر سمجھا شاید ایکس۔رے مشین کی خرابی کی وجہ سے ایکس۔رے صحیح نہیں آیا۔ ایکس۔رے دوبارہ لیا گیا۔ لیکن دوسری بار بھی ایکس۔رے نے ملک صاحب کے پھیپھڑوں کو بالکل تندرست دکھایا۔ تب ڈاکٹر نے حیران ہو کر کہا۔

''ایسے لگتا ہے جیسے کسی نے آپ کے پرانے پھیپھڑوں کو تبدیل کر کے بالکل نئے پھیپھڑے لگا دیئے ہوں''

ملک صاحب نے مسکرا کر کہا:

"جی ہاں میں ایک ایسے ہی ڈاکٹر کے پاس گیا تھا جس نے میرے پرانے بیمار پھیپھڑے نکال کر نئے صحت مند پھیپھڑے لگا دیئے ہیں"۔

ملک صاحب اس کے بعد مکمل طور پر صحت یاب ہو گئے اور تادم تحریر ماشاء اللہ بقید حیات ہیں۔

یہ آپ کے کرم کا نرالا انداز تھا کہ اگر کوئی جسمانی بیماری لے کر آتا تو اس کی بیماری کا علاج اس طرح فرماتے کہ ساتھ ہی ساتھ اس کی اخلاقی اور روحانی بیماریاں بھی دور ہو جاتیں۔

انتہائی مشکل اور کٹھن حالات میں تبلیغی سرگرمیاں

آپ نے جب اپنی عملی زندگی کا آغاز فرمایا اس وقت مسلمانوں کی قوت و ہمت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔اس زمانے میں بالخصوص احیائے سنت کی شدید ضرورت تھی۔حکمران انگریز تھا۔مسلمانوں کی معاشی اور معاشرتی ترقی کے تمام راستے بند کر دیئے گئے تھے۔اس دور میں مسلمان اپنی تاریخ کے بدترین بحران سے دوچار تھے۔اب ان کے پاس دو ہی راستے تھے کہ یا تو اسلام جو تمام مصائب کا سبب بن گیا تھا، چھوڑ دیں یا پھر تنزلی اور انحطاط کا بدستور شکار رہیں بہر حال ترک اسلام تو ممکن نہ تھا لیکن متبادل راستہ بھی نہایت دشوار گزار تھا۔ ادھر انگریز حکمران نے عیسائی مشنریز کو تمام تر دنیاوی آسائشیں دے کر تبلیغ کے میدان میں اتار دیا تھا دوسری طرف مسلمانوں کی فکری اور ایمانی جمعیت کو منتشر

کرنے کے لئے برصغیر میں مختلف جگہوں سے علم کلام کے پیچیدہ اور علمی مباحث کے فتنے کھڑے کر دیئے گئے۔ کہیں سے انکارِ ختمِ نبوت کا فتنہ اٹھا، کسی نے حدیثِ رسول ﷺ کا انکار کر دیا مسلمان عوام آپس میں مسئلہ علم غیب، حاضر و ناظر، وسیلہ، استمداد، امکانِ کذب، نور و بشر، نذر و نیاز، محفلِ میلاد اور گیارہویں جیسے مسائل پر الجھ گئے۔ ایسی کیفیت میں حقیقی اسلام کا دفاع کرنا اور اس کو اصلی حالت پر برقرار رکھنا بایں وجہ کٹھن کام تھا کہ دین کی بات کرنے والے پر خواہ مخواہ کسی نہ کسی فرقے کا لیبل لگا دیا جاتا تھا اس صورتِ حال میں ایسی شخصیات کی ضرورت تھی جنہیں فرقہ واریت سے کوئی سروکار نہ ہو اور عام مسلمانوں کو لفظی مباحث اور زبانی جمع خرچ سے نکال کر عملاً اسلام کی طرف لے آئیں۔ آپ کی شخصیت ایسی ہی تھی۔ آپ کے ہاں تعصب نام کو نہ تھا، اسی لیے آپ مرجع خلائق ہو گئے تھے۔ آپ کے دروازے ہر مذہب اور ہر مسلک کے ماننے والوں کے لئے کھلے تھے، ہندو آتے اور مسائل بیان کرتے، آپ ان کے مسائل ان کے ویدوں سے سلجھا دیتے، سکھ آتے تو آپ ان کے گرنتھوں سے انہیں جواب دیتے، مسلمان آتے تو انہیں قرآن وسنت سے سمجھاتے لیکن آپ کا اصل مقصد تو اشاعتِ اسلام اور احیائے سنت تھا۔ کوئی بھی آنے والا آپ کی پاکیزہ سیرت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ آپ تو سراپا سنت تھے، کوئی پتھر دل بھی آتا تو اپنے لاشعور میں قرآن وسنت کی عملی تصویر کے انمٹ نقوش لے کر جاتا۔

"الاسلامُ نورٌ والکفرُ ظلماتٌ"

آپ کا طریقہ تھا کہ جو غیر مسلم اسلام قبول کر لیتا اس کو اپنا ایمان پوشیدہ رکھنے کی تلقین فرماتے تاکہ اس کے خاندان والے اس کو اسلام چھوڑنے پر مجبور نہ کر دیں۔

کچھ غیر مسلموں کے انڈیا سے خط بھی آتے۔ بابو محمد یونس (جو کراچی میں صدر کے علاقے میں سکونت پذیر ہیں) جن کی ڈیوٹی خطوط کے جواب دینے پر تھی بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ انڈیا سے کسی کا خط آیا جس میں بینائی کے نہ ہونے کا علاج دریافت کیا گیا تھا۔ حضرت صاحب نے فرمایا اس کو لکھو:

"الاسلامُ نورٌ والکفرُ ظلماتٌ" پڑھا کرے۔

چند روز بعد اس کا خط دوبارہ آیا کہ میرے دل کی آنکھیں کھل گئی ہیں آپ کی تبلیغ کے انداز نرالے تھے فرمایا:

"اس کو ابھی جواب نہ دو"۔

شاید اس کو مزید پختگی کی ضرورت تھی۔ اس کا خط بار بار آتا رہا یہاں تک کہ آپ نے فرمایا اس کو لکھو کہ اپنے علاقے کے کسی عالم کے پاس جا کر کلمہ پڑھ لے اور کسی سے تذکرہ نہ کرے۔

دھنا ئل کھتری کا خفیہ اسلام

قیام پاکستان سے قبل حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ جب کرموں والا ضلع فیروز پور میں رہائش پذیر تھے تو آپ کے پاس غیر مسلم بھی کثرت سے آتے تھے۔ دور دراز سے آنے والے غیر مسلموں کے لئے الگ سے لنگر بھی پکتا تھا اور

اس کا انتظام ایک کھتری دھنامل کے پاس تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد جب آپ حضرت کرماں والا شریف ضلع اوکاڑا تشریف لے آئے تو سکھ، ہندو اور دوسرے غیر مسلم برابر آپ کی خدمت میں حاضری دیتے رہے۔ دھنامل کھتری خاص طور پر آپ سے ملنے کئی مرتبہ انڈیا سے پاکستان آیا۔ اس کے معاملات بڑے عجیب تھے۔ کہنے کو تو وہ ہندو تھا لیکن حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے وظائف (تہجد اور درود شریف) کا پابند تھا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں وہ اندر سے مسلمان تھا لیکن ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا۔ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو بھی اس سے محبت تھی۔ جب لوگوں نے کہا کہ دھنے کو تو مرنے کے بعد ہندو آگ میں جلا دیں گے تو آپ نے فرمایا "اس کو آگ کیا جلائے گی!"۔

آپ کی ذات کچھ ایسی مرجع خلائق تھی کہ آپ کی خدمت میں بعض اوقات ایسے لوگ بھی آتے جو کسی بھی مذہب سے تعلق نہ رکھتے ہوتے۔ یہاں تک کہ دہریے جو سرے سے خدا کے ہی منکر ہوتے وہ بھی آتے۔ ہم قارئین کے ذوقِ مطالعہ کے لیے یہاں ایک دہریے کا واقعہ نقل کر رہے ہیں جسے مولانا محمد امین شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ (ایڈیٹر ماہنامہ آئینہ لاہور) نے تقریباً سینتیس (37) برس پیشتر اپنے ماہنامہ آئینہ میں شائع فرمایا تھا اور اب محترم جناب محمد سمیع اللہ نوری (مدیر اعلیٰ مجلہ حضرت کرماں والا شریف) نے مولانا محمد امین شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین کا مجموعہ مرتب کر کے میری سرکار(

حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ) کے نام سے شائع کیا ہے۔

"میر محمود امرتسری تحریر فرماتے ہیں کہ بھارت کے ضلع گورداسپور میں ایک قصبہ دھرم کوٹ کے نام سے مشہور ہے نام تو ہندوانہ مگر آبادی مسلمانوں کی تھی۔ یہ ہمارے ایک دوست مسٹر بشیر بی اے آنرز کا وطن تھا۔ بشیر صاحب نے آنرز کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد دہریت اختیار کر لی تھی اس کے برعکس ہم ہزار خطا کار ہوتے بھی اللہ تعالی کی موجودگی اور توحید کے قائل تھے لاہور اور امرتسر کے کالجوں میں دسمبر کی چھٹیاں تھیں۔ یہ غالباً 1932ء کا ذکر ہے۔ ہر طرف امن وامان کا دور دورہ تھا۔ میں حکیم عبدالمجید صاحب عاصی کے ہمراہ مرغابیوں کے شکار کیلئے دھرم کوٹ گیا۔ یہ قصبہ شاہدرہ کی طرح عین راوی کے کنارے واقع ہے۔ ان دنوں بشیر صاحب بھی وہیں تھے۔ عاصی صاحب بشیر صاحب کے برادر نسبتی ہونے کی وجہ سے بہت بے تکلف تھے۔ ایک دن دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ بشیر صاحب سے بحث چھڑ گئی۔ ہم انہیں خدا کا قائل بنانے کی دھن میں دلائل پیش کر رہے تھے۔ مگر وہ الٹا ہمیں دہریہ بنانے کی کوشش میں مصروف تھے ان کی تعلیم زیادہ تھی اور قوت استدلال بھی۔ اور پھر ایک دہریے کے واسطے اوٹ پٹانگ دلائل پیش کرنا مشکل نہیں ہوتا اور یہاں شریعت کا احساس مدنظر تھا۔ مختصر یہ کہ خدا کے منکر کا پلڑا بھاری تھا اور خدا کے ماننے والے محض اپنی خفت مٹانے کے لیے گفتگو کو طول دے رہے تھے۔ بحث عروج پر تھی کہ دو تین درویش

صفت دیہاتی ادھر سے گزرے اور چند لمحوں کیلئے ہمارے قریب رک کر گفتگو سننے لگے پھر کچھ توقف کے بعد فرمانے لگے۔

''دیکھو میاں! یہ بابو خدا کا منکر ہے۔تم اسے بحث سے قائل نہ کر سکو گے۔آج کل مکان شریف میں عرس ہے۔وہاں میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت صاحب کرمانوالے رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہوں گے۔انہیں ان کے حضور لے چلو۔بس چند لمحوں میں دہریت سے توبہ کر کے خدا پرست بن جائے گا۔''

انہوں نے یہ مشورہ دیا اور اپنی راہ لی۔

مکان شریف دھرم کوٹ کے قریب ایک درگاہ تھی۔یہاں بھی نقشبندیہ سلسلے کا ایک مرکز موجود تھا۔مسٹر بشیر کو نہ جانے کیا سوجھی کہ حضرت کرمانوالہ رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کیلئے بے تاب ہونے لگے۔القصہ ہم چار پانچ دوست مکان شریف جا پہنچے۔جی میں یہ ٹھان لی کہ اپنی آمد کا اصل مقصد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا اور کسی پر ظاہر نہیں کریں گے۔

وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت کرماں والا رحمۃ اللہ علیہ تو اس دفعہ تشریف نہیں لائے،البتہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور خلیفہ غالباً نورالحسن شاہ صاحب موجود ہیں۔

بشیر نے کہا چلو انہی کے پاس چلتے ہیں اگر موقع ملا تو یہ بحث ان سے

چھیڑی جائے گی۔لہذا ہم ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے۔سب سے آگے مسٹر بشیر ہی تھے۔انہیں اپنی تعلیم پر بڑا ناز تھا۔جونہی حضرت نورالحسن شاہ صاحب کے حضور باریابی ہوئی بشیر صاحب نے بڑھ کر سلام کیا۔جواب میں آپ نے نہایت زور سے کہا۔

''ابے جا تیرا نکاح تو حضرت کرمانوالہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہو چکا ہے''۔

بشیر حیران تھا کہ انہیں ہمارے دل کی بات کیسے معلوم ہوگئی بات یہ درست تھی کہ دھرم کوٹ سے ہم حضرت کرمانوالہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کیلئے آئے تھے۔نیت یہی تھی کہ حضرت کرمانوالہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملیں گے اور خدا کی موجودگی کا مسئلہ انہی کے حضور چھیڑا جائے گا۔

حضرت نورالحسن شاہ صاحب کے اس جملے کا اثر کارگر ہوا۔اور بشیر نے حضرت کرمانوالہ جانے کی ٹھان لی۔اس نے گھر آکر چند کپڑے اور کتابیں سوٹ کیس میں رکھیں اور ریل میں سوار ہوگیا۔ہم تو راستے میں امرتسر اتر گئے اور وہ سیدھا فیروز پور چلا گیا۔

پھر تقریباً ایک برس کی مدت گزر گئی۔بشیر صاحب کا کوئی خط آیا اور نہ ہی اس سے کوئی ملاقات ہوسکی۔ایک دن دوپہر کے وقت میں اپنے بچوں میں بیٹھا تھا کہ مردانے سے میرا ملازم بلانے آیا۔کہنے لگا کہ ایک مولوی صاحب ملنے آئے ہیں۔میں نے کہا بڑے کمرے میں بٹھاؤ میں ابھی آتا ہوں۔

جب میں پہنچا تو ایک لمبے تڑنگے مولوی صاحب انتظار میں تھے ۔طویل داڑھی، سر پر بڑی سی پگڑی، ٹخنوں سے اونچا پاجامہ میں پہچان نہ سکا۔ وہ بھی تاڑ گئے اور بولے۔ ''یار میر مجھے پہچانا نہیں''؟

میں نے معذرت چاہتے ہوئے جواب دیا:

''مجھے افسوس ہے کہ میں نے واقعی آپ کو نہیں پہچانا''۔

کہنے لگے۔ ''بھئی میں تمہارا دوست بشیر ہوں''

میں حیرت واستعجاب میں ان سے لپٹ گیا اور پوچھنے لگا:

''ارے یہ کیا؟ ہمارا بشیر تو سوٹ بوٹ والا تھا۔آخر یہ انقلاب کیسے آگیا تم میں؟''

مولوی بشیر کہنے لگے۔ ''یار یہ سب حضرت کرمانوالہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی ایک نظر کا کرشمہ ہے۔ تمہیں یاد ہے نا کہ میں ان سے بحث کرنے کی غرض سے ان کے گاؤں ضلع فیروز پور میں گیا تھا۔

''ہاں ہاں مجھے یاد ہے۔ ارے دوست پوری روداد سناؤ۔'' میں نے فرط اشتیاق میں بات کو طول دینا چاہا۔اب مولوی بشیر صاحب نے آپ بیتی شروع کی۔

''بولے میر صاحب! میں مغرب سے کچھ پہلے حضور کے در دولت پر پہنچ گیا تھا،سوٹ کیس ایک جگہ رکھا اور ایک درویش کی وساطت سے حضور کی

خدمت میں حاضر ہوا، دل میں سوچ رہا تھا کہ گاؤں کی کھلی ہوا ہے۔ میں خود بھی گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ چند روز یہاں قیام کروں گا۔ وقتاً فوقتاً شاہ صاحب سے بحث بھی ہوگی۔ میں بہت پڑھا لکھا ہوں اور پھر یہ مسئلہ ایسا ہے کہ کوئی بھی دلائل سے مجھے قائل نہیں کر سکتا۔ ہاں ایک بات ہے کہ چند روز ذرا مزے سے گزر جائیں گے۔

میں نے حضور کے روبرو ہوتے ہی سلام کیا۔ جانتے ہو سلام کا جواب کیا ملا؟ گالیاں اور گھونسے۔ کسی نے پوچھا ہی نہیں کہ میاں کون ہو؟ کیسے آئے ہو؟ مقصد کیا ہے؟ بالکل نہیں پوچھا گیا۔

جونہی میرے منہ سے السلام علیکم نکلا حضرت صاحب قبلہ (رحمۃ اللہ علیہ) ایک دم جلال میں آگئے اور درویشوں سے فرمانے لگے ------- بس یہ حکم ملتے ہی چند ہٹے کٹے درویش اٹھے اور مجھ پر پل پڑے اب میں تھا اور گھونسوں اور لاتوں کی بوچھاڑ تھی۔ انہوں نے دھکے دے کر باہر نکال دیا اور ایک درخت کے قریب چھوڑ کر چلے گئے۔ میں اتنا پڑھا لکھا آدمی اس وحشیانہ سلوک کا امیدوار نہ تھا۔ جی میں خود کو ملامت کرنے لگا کہ بے وقوف تو ناحق یہاں آیا۔ پھر رقت طاری ہوئی اور گھنٹوں روتا رہا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس سلوک کے باوجود وہاں سے چلے آنے کی جرأت نہ تھی۔

(ہم گزشتہ صفحات میں تحریر کر چکے ہیں کہ آپ کی خدمت میں ایک مرتبہ حاضر

ہونے والا بار بار حاضری اور زیارت کا مشتاق ہو جاتا تھا) جب وقت کافی سے زیادہ گزر گیا تو حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے درویشوں کو دوسرا حکم سنایا اور فرمایا:

''جاؤ اس بابو کو اندر لے آؤ''۔

اب درویش مجھے اندر لے جا رہے تھے اور میں انکار کر رہا تھا، مگر وہ میری کہاں سنتے تھے، گھسیٹ کر لے ہی گئے۔ کسی سوال و جواب کی نوبت ہی نہ آئی۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے میرا دایاں ہاتھ پوری مضبوطی سے پکڑا اور دبایا اور کہا۔ ''ویکھ او بیلیا خدا ہے کہ نئیں'' (یعنی اے دوست دیکھ خدا ہے یا نہیں)۔ بس ایک بجلی سی میرے رگ و ریشہ میں دوڑ گئی اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

جب ہوش میں آیا تو رات ختم ہونے کو تھی۔ میں جوں کا توں پڑا تھا۔ ہوش آتے ہی مجھے سوٹ بوٹ سے نفرت ہو گئی۔ اپنی کتابوں اور تعلیم سے نفرت ہو گئی۔ مجھے موجودہ دور کی ہر غیر اسلامی روش سے نفرت ہو گئی۔ میں نے اسی دن داڑھی رکھ لی اور حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر توبہ کر لی۔ آپ نے مجھ سے پوچھا:

''بابو جی تمہارا نام کیا ہے؟''

میں نے کہا:

''حضور غلام کو بشیر کہتے ہیں۔''

فرمانے لگے:

''نہیں بشیر مرزا محمود بھی اپنے ساتھ لکھتا ہے۔تم اپنا نام عبداللہ رکھ لو۔''

بشیر اگر چہ اسلامی نام ہے مگر اس وقت خدا کے اس مقرب بندے کی کیفیت ہی ایسی تھی، لہذا میں بشیر سے عبداللہ بن گیا۔''

(میری سرکار صفحہ نمبر 272)

آپ کے ایسے واقعات اکا دکا نہیں ہزاروں ہیں۔بس آپ کی خدمت میں جانے کی دیر ہوتی وہاں پہنچتے ہی لا علاج مریضوں کو ایک ماہر طبیب میسر آجاتا، لڑنے جھگڑنے اور لوٹ مار کرنے والے مجرموں کو سراپا کرم اور مجسم رحمت قاضی مل جاتا، گناہ گاروں کو توبہ کا دروازہ نظر آتا، اہل علم کو چشمہء علم وحکمت نصیب ہوتا، اہل تصوف کو منازلِ سلوک طے کرنے کا وسیلہ حاصل ہو جاتا، اہل محبت کو آغوشِ محبت مل جاتی، مصیبتوں اور پریشانیوں کے مارے ہوئے، دنیا کے دروں سے دھکے کھا کھا کر مایوس ہو جانے والے آپ کو ملجا و ماویٰ پاتے، بھوکوں اور پیاسوں کو سیرابی ملتی، بدعقیدوں کو صحتِ عقیدہ میسر آتی، مقروضوں کے قرضوں کا سامان ہو جاتا لیکن یہ سب کچھ خاموشی سے ہو جاتا نہ کوئی ہائے ہوا ور نہ کوئی نعرہ مستانہ۔کسی کو کسی کے حال کی خبر نہیں۔ہر کوئی

اپنی دھن میں مست اور اپنے کام میں مگن۔

اللہ والوں کی محفل میں رب ہوتا ہے

حاجی محمد شفیق صاحب جو آپ کے دیرینہ خادم ہیں بیان کرتے ہیں کہ میرے گاؤں میں ایک شخص تھا، جس کا نام حکیم شیر محمد تھا۔ وہ اولیاء اللہ کے بارے میں درست عقائد نہیں رکھتا تھا۔ ایک دن کوئی ڈائری پڑھ رہا تھا جس میں بہت سے بزرگان دین کے نام تھے۔ جب اعلیٰ حضرت کرماں والوں کا نام نامی اسم گرامی دیکھا تو یوں لگا جیسے جسم میں کرنٹ سا دوڑ گیا ہو۔ دل میں خیال آیا کہ ان بزرگوں کی زیارت کرنی چاہیے۔ پھر یہ خیال شوق اور تڑپ میں تبدیل ہو گیا، چنانچہ آپ کے مریدوں سے جو اس علاقہ میں اس کے جاننے والے تھے، حضرت کرماں والا شریف کا ایڈریس معلوم کیا اور کشاں کشاں آپ کی خدمت عالی میں آن پہنچا۔ اگلا واقعہ حکیم شیر محمد صاحب کی اپنی زبانی سنیئے:

ابھی ملاقات کا وقت شروع نہیں ہوا تھا۔ میں نے گھر سے جو کھانا ساتھ لیا تھا، گیٹ کے سامنے بیٹھ کر کھانے لگا، اور پگڑی سر سے اتار کر نیچے زمین پر رکھ دی۔ دریں اثناء بابو نور عالم جو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی خادم تھے، گیٹ سے باہر آئے اور فرمایا "یہ کون ہے جو ننگے سر یہاں کھانا کھا رہا ہے۔ میں نے ان کی بات سن کر سر تو ڈھانپ لیا لیکن ان کی یہ بات بہت ناگوار گزری۔ کھانا کھا کر میں نے گیٹ سے اندر جھانکا اور دیکھا کہ آپ چارپائی پر آرام فرما ہیں اور آپ کی چارپائی کے قریب صرف حضرت کرماں والا ریلوے

اسٹیشن کے اسٹیشن ماسٹر حاضر خدمت ہیں۔

میں نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا اور ادھر اُدھر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا، میں سیدھا جا کر آپ کی چارپائی کے پاس قدموں کی طرف بیٹھ گیا، اور دل ہی دل میں درود شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ چند لمحوں بعد آپ نے کروٹ بدلی۔ میں نے درود شریف کا ورد جاری رکھا پھر آپ نے دوسری طرف کروٹ لی اور میں مسلسل درود شریف پڑھتا رہا، یہاں تک کہ آپ اٹھ بیٹھے۔ اور اس وقت آپ کا چہرہ نہایت پر جلال تھا۔ بڑے گرجدار اور بارعب انداز میں فرمایا ''اس بے ادب کو مارو اور باہر نکال دو''۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اس وقت میں بہت منہ پھٹ ہو گیا تھا، میرے دل میں اللہ کے پیاروں کی شان اور عظمت تو پہلے ہی نہ تھی آپ کو جلال میں دیکھ کر جل بھن سا گیا اور نہایت متکبرانہ انداز میں کہا'' یہ درویش مجھے کیا نکالیں گے ! میں خود ہی چلا جاتا ہوں (میری کیہڑا ایٹ گی اے ایتھے) لیکن یاد رکھیں کل بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ فریاد کروں گا کہ حضرت کرماں والوں کے پاس گیا تھا انہوں نے مجھے نکال دیا تھا'' یہ کہہ کر میں چلا آیا۔

دراصل آپ کا یہ جلالی انداز بھی مبنی بر حکمت تھا۔ اس سے آپ لوگوں کے سینوں میں ایک ہیجان پیدا کر دیتے تھے اس کو مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے ڈاکٹر کسی مریض کا آپریشن کرتا ہے تو مریض تکلیف محسوس کرتا ہے لیکن اس سے ڈاکٹر کا مقصد مریض کو فائدہ پہنچانا ہوتا نہ کہ تکلیف پہنچانا۔ اسی طرح آپ بھی بعض اوقات جب کسی بدعقیدہ کو تبلیغ فرماتے تو اس کی حالت اور

کیفیت کے مطابق ایسا انداز اختیار فرماتے کہ اس کے خیالات کا آپریشن ہو جاتا۔اس کام میں آپ کو اتنی مہارت تھی کہ یہ آپریشن ہمیشہ انتہائی کامیاب رہتا۔اب آگے حکیم شیر محمد صاحب کا بیان ملاحظہ فرمایئے:

میرے کچھ عزیز اوکاڑہ کینٹ میں رہتے تھے۔وہ اعلیٰ حضرت کے مرید بھی تھے۔ میں نے سوچا اتنی دور آ گیا ہوں تو کیوں نہ ان سے بھی مل آؤں۔چنانچہ میں ان کے گھر چلا گیا۔جب میں رات کو سونے لگا تو میری آنکھوں کے سامنے دن بھر کا نقشہ کھنچ گیا،میرے دل میں خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو حضرت کرماں والوں کی مجھے بددعا لگ جائے۔میں نے سوچا صبح اپنے رشتہ داروں کو کہوں گا کہ تمہارا پیر مجھ سے ناراض ہو گیا ہے میرے ساتھ جا کر میری صلح کروا دیں پھر کافی دیر تک یہ بات سوچتا رہا اور اسی خیال میں سونے کی کوشش کرتا رہا۔ابھی پوری طرح نہ تو سویا تھا اور نہ ہی مکمل طور پر جاگ رہا تھا۔مجھے ایسے لگا جیسے حضرت کرماں والے بنفسِ نفیس تشریف لے آئے ہوں۔میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔آپ نے فرمایا:

''برخوردار اللہ والوں کی محفل میں رب ہوتا ہے وہاں ادب سے بات کرنی چاہیے۔صبح اکیلے ہی آجانا اور کسی کو ساتھ نہ لانا''۔

بڑی مشکل سے رات گزری،من میں بے انتہا بے چینی پیدا ہو گئی دل چاہتا تھا کہ ابھی اڑ کر حضرت کرماں والا شریف پہنچ جاؤں۔جیسے تیسے رات پوری کی اور صبح ہوتے ہی گھر سے نکل پڑا۔آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے مجھے دور سے ہی دیکھتے ہوئے میری طرف انگلی سے اشارہ کیا اور فرمایا:

''لو! کل والا بیلی آ گیا''

جوں ہی آپ نے میری طرف اپنی انگلی سے اشارہ فرمایا وہ اشارہ میرے سینے سے پار ہو گیا میرے اوسان خطا ہو گئے اور میں دیوانہ وار آپ کے قدموں میں گر گیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ آپ نے نہایت شفقت سے میری کمر پر دست مبارک رکھا اور فرمایا:

''بیلیا! (یعنی اے دوست) اللہ کریم خیر کر دے گا۔''

تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں ہوش میں آیا میرا سارا تکبر اور غرور کافور ہو چکا تھا اور اللہ والوں کی عظمت اور محبت دل میں جاگزیں ہو چکی تھی۔ میں نے نہایت عاجزی اور انکساری سے عرض کیا مجھے اپنی غلامی میں قبول فرما لیجئے۔ آپ نے میری درخواست کو قبول فرمالیا اور مجھے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے وظائف تلقین فرمائے اور اپنے دست حق پرست پر بیعت کر لیا۔

گناہ گاروں سے امید افزا گفتگو

آپ کی گفتگو بہت امید افزا ہوتی تھی۔ زیادہ تر خوش خبری ہی سناتے۔ لوگ بڑے بڑے جرائم لے کر آتے اور آپ اللہ تعالیٰ سے انہیں توبہ، بخشش، مغفرت اور رحمت کے خزانے دلا کر واپس بھیجتے۔ قسام ازل نے شاید اسی لئے آپ کا نام لوح محفوظ میں ''حضرت کرماں والا'' لکھا تھا۔

فیروز پور میں ایک بہت بڑا ڈاکو تھا جس کا نام جلال دین تھا۔ وہ ہندو مہاجنوں کو لوٹا کرتا تھا۔ اس نے بہت سوں کو قتل بھی کیا تھا۔ پولیس اس کا پیچھا

کرتی لیکن وہ ہر مرتبہ بچ نکلتا۔ آخر کار گرفتار ہو گیا۔ اس کی لوٹ مار اتنی زیادہ تھی کہ اس کی حویلی سے کئی چھکڑے اسلحے کے برآمد ہوئے۔ عدالت میں کیس چلا۔ اس کے خلاف قتل اور ڈکیتی کے بہت سے مقدمات تھے۔ اسے یقین تھا کہ عدالت ضرور پھانسی کی سزا ہی سنائے گی۔ فیصلے کی تاریخ سے پہلے اس کی والدہ آپ کے درِ دولت پر حاضر ہوئی اور کسی کے ذریعے پیغام بجھوایا کہ میرے بیٹے نے بہت بڑے بڑے جرم کیے ہیں آپ دعا فرمائیں اسے پھانسی کی سزا نہ ہو، عمر قید ہو جائے تاکہ میں جیتے جی اسے دیکھتی رہوں۔ یہ سن کر آپ کا دریائے کرم جوش میں آیا۔ چوروں کو قطب بنانے والی نگاہ نے دیکھا کہ جلال دین کے نامہ اعمال کی سیاہی توبہ کی ربڑ سے صاف ہو سکتی ہے چنانچہ آپ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا:

"مائی سے کہہ دیں کہ اس کا بیٹا بری ہو جائے گا"

جاننے والے جانتے تھے کہ اس زبان سے نکلے ہوئے الفاظ واپس نہیں ہوا کرتے۔ آخر کار وہ دن بھی آ گیا جس دن عدالت نے فیصلہ سنانا تھا۔ جج انگریز تھا اور جلال دین کا جرم ہر طرح سے ثابت ہو چکا تھا۔ جج نے فیصلہ لکھا کہ جلال دین کو پھانسی کی سزا دی جائے۔ لیکن جب دیکھا تو کاغذ پر جلال دین کے بری کیے جانے کی تحریر تھی۔ جج نے دوبارہ پھانسی کی سزا لکھی لیکن کاغذ پر پھر بری کیے جانے کی تحریر تھی۔ وہ حیران تھا کہ اس کا قلم اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ وہ پھانسی لکھتا رہا اور کوئی غیر مرئی طاقت قلم کو پھانسی لکھنے سے روکتی رہی یہاں تک کہ اس نے سو مرتبہ پھانسی لکھا لیکن قلم نے ہر بار پھانسی کو بری سے بدل

ڈالا۔ آخر کار انگریز جج عاجز آگیا اور جلال دین بری ہوگیا۔ اس نے مجسمہ حیرت بن کر متجسس نگاہوں سے جلال دین کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

''کیا آپ کا کوئی پیر پادری ہے؟''

جلال دین سمجھ گیا کہ حضرت صاحب حضرت کرماں والے (رحمۃ اللہ علیہ) کی دعا کا اثر ظاہر ہوگیا ہے۔ اگرچہ وہ ابھی آپ کا مرید نہیں ہوا تھا لیکن دل میں عقیدت موجود تھی اس لیے کہا ہاں! ہمارے بزرگ حضرت کرماں والا میں ہیں۔ چنانچہ وہ انگریز جج آپ کی زیارت کرنے کے لیے جلال دین کے ہمراہ آپ کی خانقاہ عالیہ میں حاضر ہوا۔ جج کے بارے میں تو معلوم نہیں ہو سکا کہ بعد میں اس کا کیا ہوا لیکن جلال دین اس کے بعد ایک طویل عرصہ زندہ رہا۔ جن لوگوں نے اسے دیکھا تھا وہ ابھی زندہ ہیں وہ بتاتے ہیں کہ پھر تو وہ بالکل ہی بدل گیا تھا۔ اس نے حضرت صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ لوٹ مار اور ہر طرح کی برائیوں سے توبہ کر کے آپ کے سچے مریدوں میں شامل ہوگیا۔ آپ کا انداز تبلیغ اتنا موثر ثابت ہوا کہ اس نامور ڈاکو کا شمار صالحین میں ہونے لگا۔

داڑھی رکھوانے کا ایمان افروز انداز

حاجی محمد شفیق جو آپ کے خاص نعت خوان تھے اور تادم تحریر حضرت کرماں والا شریف موجود ہیں بیان کرتے ہیں کہ میرے گاؤں کا ایک شخص جس کا بازو سوکھ گیا تھا آپ کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوا آپ نے فرمایا تم داڑھی رکھ لو تو تمہارا بازو صحت یاب ہو جائے گا اس نے آپ کے فرمان کے مطابق داڑھی رکھ لی اللہ کے کرم سے اس کا بازو صحت یاب ہوگیا جب حضرت

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو اس نے داڑھی منڈا دی اس کا بازو دوبارہ سوکھ گیا۔(انا للہ و انا الیہ راجعون) گویا آپ نے اپنے روحانی تصرف سے داڑھی اور بازو میں ایسا تعلق قائم کر دیا کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہو گئے۔

آپ طرح سے اس شخص کو غیر محسوس انداز میں فکر آخرت کا درس دینا چاہتے تھے۔ کیونکہ بازو کا سوکھنا تو اخروی نجات پر اثر انداز نہیں ہوتا، جبکہ داڑھی منڈوانا اخروی نجات پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ مزید برآں آپ کے اس ارشاد میں یہ اشارتاً یہ بتلانا مقصود تھا کہ ایک مؤمن کامل کے لئے محبت رسول ﷺ کے تقاضوں کو پورا کرنے کی اہمیت کتنی زیادہ ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اس ارشاد میں در پردہ اس بات پر سرزنش بھی تھی کہ تمہارے تو دو بازو تھے اور ان میں سے ایک کا معطل ہونا ہی تمہارے لئے انتہائی تکلیف کا باعث ہے لیکن داڑھی رکھنا رسول کریم ﷺ کی ایک کامل سنت ہے۔ تمہارا داڑھی کو منڈوا کر آپ ﷺ کی اس سنت کو مکمل طور پر معطل کر دینا آپ ﷺ کے لئے کتنی اذیت اور ناراضگی کا باعث ہوگا!!

عمدہ وعظ و نصیحت

داڑھی میں کیا رکھا ہے؟؟

آپ کے پاس ہر مذہب اور ہر مسلک کے لوگ آتے آپ ہر کسی کے ذہنی معیار کے مطابق اس طرح گفتگو فرماتے کہ سب کی اصلاح ہو جاتی ۔آپ کے پاس کلین شیو کیے ہوئے پینٹ شرٹ پہنے ہوئے بابو بھی حاضر ہوتے ان کی اصلاح کے لیے بھی آپ بالکل سادہ انداز اختیار فرماتے ۔مولانا محمد اکرام صاحب مولف ''معدن کرم'' لکھتے ہیں:

آپ فرمایا کرتے تھے:''یارو!(یعنی اے دوستو) اللہ تعالی نے سب سے عمدہ، سب سے حسین اور خوبصورت سراپا جو بنایا ہے وہ نبی کریم ﷺ کا سراپا ہے سب سے بہتر کردار حضور نبی کریم ﷺ کا کردار ہے۔ پھر ہم بھی کیوں نہ ویسی ہی سیرت بنانے کی کوشش کریں ۔اللہ تعالی کی رضا حاصل کرنے کے لیے یہی ذریعہ ہے''۔

ایک نوجوان نے ایک دفعہ عرض کر دیا:

''قبلہ داڑھی میں کیا رکھا ہے؟ انسان کا دل صاف ہونا چاہیے''۔

آپ نے فرمایا:

''برخوردار تمہارا قرآن پاک پر ایمان ہے؟''

اس نے عرض کیا:

''جی ہاں، کیوں نہیں، آخر میں مسلمان ہوں''

آپ فرمانے لگے:

''قرآن پاک میں حضور نبی کریم ﷺ کے اسوہ کو اسوۂ حسنہ فرمایا گیا ہے۔ (لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنہ) اور داڑھی رکھنا حضور ﷺ کا ہی اسوۂ حسنہ ہے اور قرآن شریف میں جا بجا حضور ﷺ کی ہی تقلید اور اطاعت کا حکم ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے کسی فعل کی خلاف ورزی کرنا یا مذمت کرنا کسی ہوشمند انسان کا کام نہیں۔''

کچھ دیر توقف کے بعد آپ نے فرمایا:

''بابو جی! تم دل کی صفائی کا ذکر کرتے ہو، دل کا بھید تو خدا جانتا ہے۔ ظاہری صورت بھی درست کر دو تا کہ لوگ بھی اچھا جانیں اور زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ شاید اللہ کریم ظاہر کے خاکے میں حقیقت کا رنگ بھر دیں اور یہ یاد رکھو کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے مسلمانو! جس نے میری شکل وصورت بنائی، اللہ پاک اس کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھیں گے پھر آپ نے حضرت موسیٰ علیہ اسلام کے نقال کا قصہ بیان فرمایا جو ازراہ تمسخر آپ کی نقل اتارا کرتا تھا لیکن مرنے کے بعد مولا کریم جل جلالہ نے اس کی صرف اس وجہ سے بخشش فرمادی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی طرح ظاہری شکل وصورت بنا کر لوگوں کے سامنے آتا تھا اور حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کی نقل اتارا کرتا تھا۔

یارسول اللہ ﷺ کا نعرہ

(ابوالبیان) حضرت مولانا غلام علی صاحب (مرحوم) مفسر قرآن مہتمم اشرف المدارس ''اوکاڑہ'' ایک موقع پر جماعت علماء کے ہمراہ مجلس مبارک میں موجود تھے آپ نے ارشاد فرمایا:

''مولانا! لوگ محض دکھاوے کے لیے یارسول اللہ ﷺ کا نعرہ لگاتے ہیں اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ اگر شوق اور محبت سے ایک دفعہ یارسول اللہ ﷺ کہا جائے تو رب کریم کی بے شمار رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور بیڑا پار ہو جاتا ہے۔

یہ بریلوی مکتب فکر کے علماء تھے۔ چونکہ یا رسول اللہ ﷺ کا نعرہ عموماً بریلوی حضرات لگاتے ہیں۔ اس لئے ان کی اصلاح کے لئے ان کو محض نعرہ بازی کی بجائے اخلاص کی نصیحت فرمائی۔

سادہ اور مؤثر بیان

دراصل اللہ والے ماہر نفسیاتی معالج ہوتے ہیں۔ وہ بات کرتے ہیں تو اتنے درست موقع محل پر کہ ان کی معمول کی باتیں تاریخ کا حصہ بن جایا کرتی ہیں اور صدیوں تک انسانی یادداشت میں محفوظ رہ کر انسانی رویوں کو متاثر کرتی رہتی ہیں۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی باکمال شخصیت میں یہ وصف کامل طور پر موجود تھا۔ معقولات اور منقولات پر مکمل دسترس ہونے کے باوجود نہایت سادہ بیان تھے لیکن مؤثر اس قدر کہ بعض اوقات سامعین وفور جذبات سے بے قابو ہو

جاتے۔آپ کی سادہ سادہ باتیں معانی کے اعتبار سے اتنی گہری ہوتیں کہ سننے والوں کی سماعت پر انمٹ نقوش چھوڑتیں۔اس کا بعض اوقات آپ خود بھی اظہار فرمایا کرتے تھے۔جیسا کہ مولانا محمد اکرام صاحب نے ''معدن کرم'' میں لکھا ہے:

''ایک مرتبہ جمعہ مبارک کے وعظ کے دوران ارشاد فرمایا ''بیلیو گلاں غور نال سنو۔میریاں گلاں سادہ سادہ پنجابی زبان وچ ہوندیاں نے پر نہ جانئے انہاں نوں کوئی عارف وی ورلا ای سمجھ سکدا اہووے''

(معدن کرم، معمولات وعبادات)

آپ خط تحریر فرماتے تو شروع میں لکھتے:

''اللہ رب العالمین محض اپنے فضل سے ہر مرد وعورت مسلمان کا انجام بخیر کریں، بہرحال ذکر الٰہی ضروری جیسے موت ضروری''

یہاں آخری جملہ نہایت قابل غور ہے۔

''ذکر الٰہی ضروری جیسے موت ضروری''

ذکر الٰہی کا ضروری ہونا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن اس کا موت کی طرح ضروری ہونا توجہ طلب ہے۔اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

(۱) قاعدہ ہے کہ بقا کے لئے فنا ہونا پڑتا ہے۔جس طرح آخرت کی دائمی زندگی پانے کے لئے اس دنیا میں موت کی ضرورت ہے۔اسی طرح اس دنیا میں جب کوئی بندۂ مومن قرب الٰہی کی منزلیں طے کرتا ہے تو اپنے نفس کی صفات کو فنا

کر کے صفات الٰہی کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف ''یتقرب الیّ عبدی'' میں اسی طرف اشارہ ہے۔ آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ تقرب الٰہی کے اس خاص مقام کو پانے کے لئے جس طرح خواہشات نفسانی کی موت ضروری ہے اسی طرح ذکر الٰہی بھی ضروری ہے۔

(2) اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس طرح موت کو آنا ہے یہ ایک بدیہی بات ہے یعنی اس میں کوئی غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا خاص قرب پانے کے لئے ذکر الٰہی کرنا ہی ہوگا اس میں بھی کوئی غور و فکر کی حاجت نہیں ہے۔

واضح ہو کہ ''ضروری'' علم منطق اور علم الکلام کی اصطلاح ہے۔ منطقیوں کے نزدیک علم دو طرح کا ہوتا ہے۔

(1) نظری، ان چیزوں کا علم جنہیں جاننے کے لئے غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے فرشتوں اور جنات کا علم۔

2) ضروری، اسے بدیہی بھی کہتے ہیں، ان چیزوں کا علم جنہیں جاننے کے لئے غور و فکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے سردی اور گرمی کا علم اور اس بات علم کہ آگ جلانے والی ہے، سورج روشن ہے وغیرہ۔

قارئین! اس موضوع پر اس سے زیادہ گفتگو عوام کے لئے اکتاہٹ کا باعث ہو سکتی ہے بہر حال آپ کے اس ارشاد میں بہت سے علمی مباحث موجود ہیں اور ہمیں اس تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ پیچیدہ علمی مسائل کو اتنے

آسان اور سہل انداز میں بیان فرماتے کہ ہر عام و خاص کے لئے اس میں سبق موجود ہوتا۔

علم غیب

علم غیب کے مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''کچھ مولوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب کلی عطا فرمایا تھا اور کچھ مولوی کہتے ہیں علم غیب جزوی عطا فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''علم آدم الاسماء کُلّھا''۔ اب آپ خود سوچیں اللہ کریم کا کُلْ بڑا ہے یا مولویوں کی کلی جزوی بڑی ہے''

شفقت و رافت

بعض اوقات آپ کی کیفیت جلالی بھی ہوتی تھی۔ آپ جلال میں ہوتے تو کرم کا فیضان کئی گنا بڑھ جاتا کیونکہ آپ کی ناراضگی فقط اصلاح اور تربیت کے لئے ہوتی تھی۔ اپنی ذات کے لئے آپ نے کبھی بھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ حاجی محمد شفیق صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے کہ ایک شخص حاضر خدمت ہوا۔ اس نے آپ کے پاؤں کو بوسہ دیا اور پھر پاؤں دبانے لگا۔ آپ نے فرمایا:

برخوردار! ''میرے جسم میں تھکن اور درد ہے''

وہ شخص نہایت سخت لہجے میں بولا:

''تم نہ کھیتوں میں حل چلاتے ہو نہ کوئی کام کرتے ہو، یہاں لیٹے لیٹے ہی تھک جاتے ہو؟''۔

آپ نے اس شخص سے بالکل ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ مسکرا دیئے۔ پھر اس نے مطالبہ کیا مجھے گڑ کھلائیں۔ آپ نے گڑ منگوایا اور اسے کھلایا اور اس پر خصوصی شفقت فرمائی۔

جھوٹ بولنے والے پر جلال

جب کوئی جھوٹ بولتا یا کوئی خلافِ شریعت بات کرتا تو آپ کو جلال آجاتا اور بڑی گرج دار آواز میں فرماتے:

''اس سُور نوں باہر کڈھ دیو''

دراصل آپ اس شخص کو ''سُور'' (خنزیر) نہیں فرماتے تھے بلکہ اس کے اندر جو شیطان چھپا ہوتا اسے فرمارہے ہوتے تھے، اور اسے محفل سے نکالنے کا حکم نہیں دیتے تھے بلکہ اس غیر شرعی بات کو اس کے دل سے نکالنے کا حکم فرماتے تھے۔ بظاہر اسی طرح ہوتا کہ درویش اس شخص کو پکڑتے اور محفل سے باہر نکال دیتے۔ لیکن اندر سے اس کے باطن کی صفائی ہو رہی ہوتی۔ اور پھر یہی ہوتا کہ آپ تھوڑی ہی دیر بعد فرماتے کہ اسے بلا کر لے آؤ۔ جب وہ آتا تو آپ شفقت فرماتے۔ اور اس طرح اس کی اصلاح ہو جاتی۔

بہترین بحث ومباحثہ

بحث ومباحثہ میں آپ کے ایک دو جملے ہی کافی ہوتے

مولانا بشیر احمد خطیب اعظم چشتیاں شریف دار العلوم دیو بند سے فارغ التحصیل تھے۔آپ کی شہرت سنی تو سوچا کہ کیوں نہ حضرت کی اصلاح کر کے ثواب کمایا جائے ،علم غیب رسول ﷺ پر مناظرہ کرنے کی ٹھان لی۔لگے قرآن شریف وحدیث کے دلائل کو ازبر کرنے۔جب تیاری مکمل ہو گئی تو حضرت کرماں والا شریف آپہنچے۔دن ڈھلے کا سمان تھا۔ان کا خیال تھا اگلے دن مناظرہ کیا جائے اور آج رات آرام کر کے سفر کی تھکاوٹ دور کرلی جائے اور ویسے بھی حضرت کو میری آمد کا تو کوئی علم نہیں ہے اور نہ ہی ان کو مناظرے کے متعلق کوئی اطلاع دی ہے۔نماز عشاء سے فارغ ہو کر مسجد میں ہی سونے کے لے لیٹ گئے۔تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ کوئی شخص آوازیں دیتا ہوا نظر آیا کہ دیوبندی مولوی کو حضرت صاحب بلا رہے ہیں۔یہ چپکے لیٹے رہے کہ کسی دوسرے دیوبندی مولوی کو بلایا ہوگا جب کوئی نہ اٹھا تو وہ شخص واپس چلا گیا کچھ دیر بعد پھر آیا اور سب سے باری باری پوچھنے لگا جب دیوبندی ہونے کا کسی نے اقرار نہ کیا تو ان کے سرہانے آکر پوچھا کیا تم دیوبندی مولوی ہو؟ اب تو انکار

نہ کر سکتے تھے مجبوراً اقرار تو کرلیا لیکن تھکاوٹ وجہ سے کہہ دیا کہ کل ملیں گے۔ وہ شخص بھی تربیت یافتہ درویش تھا اپنے درویشانہ رُعب سے کہا:

''حضرت صاحب تو اس وقت کسی سے ملتے ہی نہیں تم کتنے خوش قسمت ہو کہ تمہیں خود بلا رہے ہیں۔ جلدی اٹھو''

اب تو اٹھے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حیران تھے کہ آپ کو تو میرا نام تک معلوم نہیں اور نہ یہ کہ میں کہاں رہتا ہوں خدا جانے کس نے میرا پتا دیا......

جونہی آپ کی خدمت میں پہنچے آپ نے فرمایا: مولوی جی! آئیں ابھی علم غیب کے موضوع پر (کک چک) فیصلہ کرلیں۔ انھوں نے جتنی آیات قرآنی اور احادیث نبوی (علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام) یاد کی تھیں سب باری باری پڑھ ڈالیں کبھی اٹکتے تو حضرت صاحب فرماتے، ہوں مولوی جی پھر؟، یہ پھر پڑھنے لگتے یہاں تک کہ ان کا سارا مواد ختم ہوگیا تب آپ نے فرمایا مولوی جی! قرآن و حدیث میں جہاں بھی علم غیب کی نفی ہے وہ علم ذاتی کی نفی ہے۔ ہم حضور ﷺ کے لیے علم غیب عطائی کے قائل ہیں۔ یعنی ذاتی علم غیب صرف اللہ کا ہے اور حضور ﷺ کا علم غیب اللہ کی عطا سے ہے۔ مولانا صاحب سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اگلے دن اجازت لے کر رخصت ہوگئے۔

گھر پہنچے تو نہایت بے قرار تھے ایک تو مناظرے میں ہار جانے کا قلق اور دوسرا اپنی کم علمی کا احساس۔ کسی پل چین نہ آتا تھا۔ سوچا کہ ناکامی، کامیابی

کا زینہ ہے دوبارہ کسی اور موضوع پر بات کرنی چاہیے۔ دراصل حضرت صاحب کی ایک مرتبہ زیارت کر لینے کے بعد دوبارہ زیارت کا اشتیاق بڑھ جاتا تھا۔ یہی ان کے ساتھ بھی ہوا۔ اب اصلاح کے جذبے کی بجائے دل کے نہاں خانوں میں ملاقات شوق تھا۔ ایک دوبار مختلف موضوعات پر حضرت صاحب سے گفتگو ہوئی لیکن آپ کے ایک دو جملے ہی ان کے جملہ دلائل عقلیہ و نقلیہ کو کافی ہو جاتے۔

ایک مرتبہ سوچہ کہ حضرت صاحب تو پیر ہیں علم نحو سے زیادہ شغف کہاں ہوگا۔ اگر کبھی پڑھا بھی اب تک بھول چکے ہوں گے۔ اس موضوع پر آپ سے مناظرہ کر کے اگلہ پچھلا حساب چکا دینا چاہیے۔ تیاری کر کہ آ پہنچے دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے کہ آج میرے علم کی دھاک بیٹھ جائے گی۔ آتے ہی حضرت صاحب نے فرمایا:

مولوی جی شرح ملا جامی (علم نحو کے موضوع پر درس نظامی کے نصاب کی آخری کتاب) کا خطبہ پڑھیں:

انھوں نے پڑھنا شروع کیا:

"الحمدلو لیہ والصلوۃعلی نبیہ ......"

حضرت صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے روکا اور فرمایا:

مولوی جی علم نحو کا قاعدہ ہے کہ ضمیر کو مرجع کے بغیر ذکر نہیں کیا جاتا یہاں الحمدُ لو لیہ میں "ہٖ" ضمیر کا مرجع کیوں ذکر نہیں کیا گیا؟"

مولانا اس غیر متوقع سوال کا جواب نہ دے سکے۔ غرضیکہ اس طرح کی چند ملاقاتوں میں حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی روحانی توجہ، احسن مجادلہ اور آپ کے محبت بھرے اندازِ تبلیغ نے ایسا اثر دکھایا کہ دارالعلوم دیوبند کے وہی مولانا جو آپ کی اصلاح کی نیت سے آئے تھے نہ صرف اپنے فاسد عقائد سے تائب ہو گئے بلکہ آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت بھی ہو گئے۔ (مولانا بشیر احمد صاحب تادمِ تحریر بقید حیات ہیں اور پنجاب ضلع بہاولنگر میں سکونت پذیر ہیں)۔

جھوٹے نبی کی نشانیاں

آپ کی خدمت میں مرزا غلام احمد قادیانی جھوٹے نبی کے پیروکار بھی حاضر ہوتے۔ حضرت کرماں والا شریف میں مرزئیوں کا ایک گھرانہ تھا آپ اکثر ان کو بہت دلنشیں پیرائے میں سمجھاتے ایک مرتبہ ایک مرزئی کو سچے نبی کی علامات بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(۱) سچے نبی کا نام دو ناموں کا مجموعہ نہیں ہوتا۔

(جیسے مرزا غلام احمد کا نام ''غلام'' اور ''احمد'' کا مجموعہ ہے)

(۲) سچے نبی کی پیشین گوئی کبھی جھوٹی نہیں ہو سکتی۔

(مرزا غلام احمد کی بہت سی پیشین گوئیاں غلط ثابت ہو چکی ہیں جیسے محمدی بیگم کے ساتھ شادی نہ ہونے کا قصہ)

(۳) سچے نبی کا کوئی انسان استاد نہیں ہوتا اور وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرتا ہے۔

(مرزا غلام احمد قادیانی حصول علم کے لئے مختلف اداروں میں مختلف استادوں سے پڑھتا رہا)

(۴) سچا نبی طاقت کی گولیاں نہیں کھاتا اللہ تعالیٰ اس کو چالیس مردوں کی طاقت دے کر بھیجتا ہے۔

(مرزا غلام احمد قادیانی قوت باہ کی طاقت کی گولیاں کھاتا تھا)

(۵) سچے نبی کا مدفن وصال کی جگہ پر ہوتا ہے۔

(مرزا غلام احمد قادیانی کی قبر اس کے مرنے کی جگہ پر نہیں ہے)

علمی گفتگو سے اصلاح

عوام الناس کو عموماً پیچیدہ علمی مسائل سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کیونکہ وہ انہیں سمجھ ہی نہیں پاتے۔ آپ اسی لئے ایسے مباحث سے احتراز ہی کرتے تھے مگر بعض اوقات اہلِ علم کی موجودگی میں علمی گفتگو ناگزیر ہوتی تو آپ کچھ ایسا جامع، مانع کلام فرماتے کہ علماء بھی انگشت بدنداں رہ جاتے۔ اس سے آپ کا مقصد اپنی علمی برتری جتلانا نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ سب کچھ اصلاح کے لئے ہوتا۔ علماء کی اصلاح کیلئے آپ کا یہ اندازِ تبلیغ بہت ہی منفرد تھا۔

ایک بار آپ مسند نشین تھے، سائلین کا ہجوم تھا، تمام لوگ باری باری اپنی درخواستیں پیش کر رہے تھے، حاضرین میں سے ایک صاحب نے آپ سے کوئی شرعی مسئلہ دریافت کیا، آپ نے اسے وہ مسئلہ بتا دیا۔ اس وقت آپ کی محفل میں ضلع فیصل آباد کے رہائشی "حاجی محمد یوسف" نامی ایک عالم بھی حاضر

تھے۔ انہوں نے دل میں سوچا کہ حضرت صاحب نے مسئلے کا جو حل بتایا ہے وہ درست نہیں اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ آپ کے پاس باطنی علم تو بہت ہے لیکن ظاہری علم کی کمی ہے۔ گویا حاجی صاحب آپ کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو رہے تھے۔ اب یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ آپ نور فراست سے ان کی بدگمانی کو ملاحظہ بھی فرمالیں اور پھر ان کی اصلاح نہ کریں۔ چنانچہ بعد ازاں آپ نے ان سے فرمایا: حاجی جی! نعت سنائیں۔ انہوں نے پنجابی میں نعت پڑھی۔ جس کا ایک مصرع کچھ یوں تھا:

؎ جتھے ماہی پب دھر دا او تھے اُگدا سر و دا بوٹا

آپ نے پوچھا اس کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے اس مصرعے کی وضاحت کے دوران کہا اس کا مطلب ہے حضور ﷺ جوہر کائنات ہیں۔ آپ نے فرمایا جوہر کائنات تو ممکنات میں سے ہے، ممکنات فانی ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ کی ذات تو باقی باللہ ہے !۔ حاجی صاحب! کچھ آگے کی بات کریں۔ آپ کی اس تقریر سے ان کے دل میں آپ کے بارے جو ظاہری علم کی کمی کا خیال تھا وہ دور ہو گیا۔

ایک بار آپ کے سامنے کسی نے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی عالمی شہرت یافتہ نعتیہ رباعی پڑھی:

یاصاحبَ الْجَمالِ وَ یاسَیِّدَ الْبَشَر

مِنْ وَّجْھِکَ الْمُنِیْرِ لَقَدْنُوِّرَ الْقَمَر

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا روحانیت میں بہت اونچا مقام ہے اور انہوں نے بارگاہِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں جو نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے وہ اپنی جگہ بالکل مناسب ہے۔ لیکن جب حضرت صاحب حضرت کرماں والے (رحمۃ اللہ علیہ) کے سامنے آخری مصرعہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" پڑھا گیا تو فرمایا:

"بعد، بُعد کوئی نہیں"

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

"ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی"
(سورہ النجم 9-8)

ترجمہ: پھر وہ قریب ہوا اور زیادہ قریب ہوا یہاں تک کہ دو کمانوں کے (ملنے کے) برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوا۔

آپ کا اشارہ اسی طرف تھا۔ جہاں اتنی قربت ہو وہاں بعد اور بُعد کی گنجائش کہاں باقی رہتی ہے۔

مؤخر الذکر دونوں واقعات بابا سارنگ علی سے مروی ہیں جو حضرت صاحب کے دیرینہ خادم ہیں اور آج کل ضلع فیصل آباد میں مقیم ہیں۔

ل اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کا مفہوم بھی تقریباً یہی

ہے۔

ممکن میں یہ قدرت کہاں، واجب میں عبدیت کہاں

حیران ہوں یہ بھی ہے خطا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

''لاحول'' کا ورد

آپ کے پاس اہلِ حدیث اور غیر مقلدین بھی حاضر ہوتے اور آپ کی صحبت میں بیٹھنے کے بعد آپ کے ہی ہو کر رہ جاتے۔ بابو عطاء اللہ (جو سخت قسم کے وہابیانہ نظریات رکھتے تھے) اپنے کسی عزیز کے ہمراہ اس شرط پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ نہ لنگر شریف کھاؤں گا، نہ وہاں کے امام کے پیچھے نماز پڑھوں گا اور ''لاحول'' کا ورد کرتا رہوں گا۔ جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو ذہن میں بنائی ہوئی خیالی تصویر چکنا چور ہو گئی ہر طرف شریعت مطہرہ کی پاسداری نظر آئی چنانچہ لنگر شریف بھی کھا لیا اور نماز بھی پڑھ لی۔ اولیاء کی بارگاہ میں جانا چونکہ ناجائز سمجھتے تھے اس لئے ''لاحول'' کا ورد جاری رکھا۔ اجازت لے کر گھر پہنچے تو دل و دماغ میں ایک عجیب احساس تھا (ہم پہلے عرض کر چکے ہیں حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بار حاضر ہونے والا بار بار حاضری اور زیارت کا مشتاق ہو جاتا تھا) اگلے دن اپنے آفس میں بیٹھے تھے کہ حضرت صاحب کی یاد آئی اور ایسی آئی کہ آتی چلی گئی۔ آفس سے واپس گھر جانا مشکل ہو گیا۔ دفتر سے سیدھے حضرت کرماں والا شریف آ پہنچے اور اس کے ساتھ ساتھ ''لاحول'' کا ورد بھی جاری رکھا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سے ملاقات ہوئی تو عرض کیا کوئی وظیفہ بتا دیں آپ نے فرمایا جو وظیفہ آپ کر رہے ہیں وہ بہت ہی اچھا وظیفہ ہے۔آپ کے اس جملے نے ان کے دل کی دنیا بدل دی۔ احساس ندامت نے ضمیر کے سارے داغ دھوڈالے۔آپ کی اک نظر نفوس کا تزکیہ کرڈالتی۔ حضرت صاحب کی شفقت اور محبت نے بدعقیدگی کا یکسر خاتمہ کر دیا اور وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی میں داخل ہو گئے۔ پھر تو آپ کی خدمت میں ننگے پاؤں حاضری دیتے۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان پر خوب شفقت فرماتے تھے۔ایک مرتبہ کسی غیر مسلم ملک میں ان کا جانا ہوا۔وہاں کسی ہوٹل میں کھانے کی میز پر بیٹھے تھے کہ دل میں کھانے کے حرام وحلال ہونے کے متعلق شبہ پیدا ہوا اور سخت مضطرب ہو گئے۔دریں اثنا حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم مثال میں تشریف لے آئے اور کھانے میں سے کچھ تناول فرما کر ان کے اضطراب کو دور کر دیا۔

(راقم نے مختلف لوگوں سے الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ یہ واقعہ سنا اور حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دیرینہ خادم اللہ رکھا حافظ صاحب (حال مقیم ڈیفنس لاہور) نے فون پر اس واقعہ کی تصدیق کی)

زبانیں غلط پڑھتی ہیں

ایک مرتبہ آپ بادشاہی مسجد تشریف لے گئے وہاں اہل حدیث مکتب فکر کے مشہور عالم داؤد غزنوی بھی موجود تھے حضرت صاحب کے قریب سے گزرتے ہوئے انہوں نے طنزاً اہل اللہ کے متعلق انگریزی زبان میں اپنے

ساتھی سے کوئی بات کہی (غالباً ان کا خیال تھا کہ آپ کو انگریزی نہیں آتی) آپ نے فرمایا مولوی صاحب! زبانیں نُطق پر آ کر بنتی ہیں اور اللہ کا بندہ اس سے پہلے ہی بات سمجھ چکا ہوتا ہے۔ داؤد غزنوی یہ غیر متوقع جواب سن کر شرمندہ ہو گئے۔

فعل (یعنی کردار سے) تبلیغ

پہلی ملاقات ہی موثر

آپ اہلِ بیت پاک رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر بہت کثرت سے فرمایا کرتے۔ جب آپ اہلِ بیت کی شان بیان فرماتے تو حاضرین پر رقت طاری ہو جاتی خود آپ بھی محبت اہلِ بیت میں زارو قطار رویا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے اہل سنت کو بکثرت ذکرِ اہل بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کرنا چاہیے۔ آپ کے اس اندازِ تبلیغ سے شیعہ مکتب فکر کے لوگ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی بے ادبی کرنے سے تائب ہو جاتے۔ مولانا محمد اکرام صاحب مؤلف معدن کرم لکھتے ہیں:

سید سخاوت حسین بخاری ایم۔اے ایل ایل بی ضلع کچہری شیخوپورہ میں وکالت کرتے تھے اور ضلع شیخوپورہ کی شیعہ کمیٹی کے صدر بھی تھے (تا دمِ تحریر الحمدُللہ بقید حیات ہیں اور لاہور میں اعوان ٹاؤن کے علاقہ میں مقیم ہیں)۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ سنا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلی ملاقات ہی کارگر ثابت ہوئی۔ آپ کے ہاں شریعت کی مکمل پابندی اور ایک ایک سنت کی

اتباع دیکھی تو بہت متاثر ہوئے۔آپ کے اندازِ تبلیغ نے اس قدر گرویدہ کیا کہ فوراً غلامی اختیار کر لی۔

عبدالغنی لطیف نقشبندی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ دو وہابی خیال علماء آئے اور آپ کی محفل میں پیچھے ایک کونے میں بیٹھ رہے۔صبح سے لے کر شام تک جب انہیں کوئی خلاف شریعت کام نظر نہ آیا تو واپس جاتے ہوئے بے اختیار ان کی زبانوں سے نکلا کہ اصل اہل حدیث تو یہ (حضرت صاحب حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ) ہیں۔

شریعت کی پابندی

آپ کی سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں سے بہت گہری وابستگی تھی۔حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ (جو سلسلہ چشتیہ کے عظیم روحانی پیشوا ہیں اور چند واسطوں سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہما تک پہنچ جاتے ہیں) سے تو خصوصی لگاؤ تھا۔آپ اکثر ان کا تذکرہ فرماتے رہتے۔آپ کے علاقے فیروز پور (انڈیا) میں ایک بہت بڑے عالم اور چشتیہ سلسلے کے روحانی پیشوا تھے،ان کا نام مولانا شرف الدین (رحمۃ اللہ علیہ) تھا،انہیں حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت تھی آپ نے ان سے علمی فیضان بھی حاصل کیا اور روحانی نسبت بھی۔ تونسہ شریف اور چشتیاں شریف کی عظیم چشتی خانقاہوں میں عرس کی تقریبات میں بڑے اہتمام سے شرکت فرماتے۔پاکستان بننے سے قبل آپ اجمیر شریف بھی

حاضری دیتے تھے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے تو آپ کا روحانی تعلق اور قرب احاطہ بیان سے باہر ہے۔ آپ ہر سال محرم الحرام کا چاند نظر آتے ہی پاکپتن شریف پہنچ جاتے اور دربار شریف کے قریب مرکزی عیدگاہ میں قیام فرماتے۔ مولانا محمد اکرام صاحب رحمۃ اللہ علیہ مؤلف ''معدن کرم'' کا بیان اس جگہ قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں:

''آپ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ ایک سال بیماری کی وجہ سے ارادے میں ذرا سا تذبذب واقع ہوا تکلیف زیادہ تھی اور سفر دشوار نظر آتا تھا اس لئے خیال پیدا ہوا کہ بعد میں صحت یاب ہونے پر حاضری دے لی جائے گی۔ رات کو آپ استراحت فرماتے کہ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عالم مثال میں ظاہر ہو کر ارشاد فرمایا ''شاہ صاحب صبح سواری آئے گی اس پر بیٹھ کر آ جانا غیر حاضری نہیں ہونی چاہیے'' آپ اسی وقت اٹھے اور تیاری شروع کر دی۔ صبح جب گاؤں سے باہر نکلے تو ایک تیز رفتار سانڈنی جس پر کجاوہ کسا ہوا تھا آپ کے انتظار میں تھی۔ آپ اس پر سوار ہوئے اور پاکپتن شریف پہنچ گئے''

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلسلہ چشتیہ کے مشائخ سے آپ کے روحانی روابط نہایت غیر معمولی قسم کے تھے۔ آپ ان کے ہاں جاتے تو ان کی روایات پر عمل کرتے اور محفلِ سماع میں بھی شرکت فرما لیتے لیکن آپ نے کبھی حضرت کرماں والا شریف میں محفلِ سماع کا انعقاد نہ فرمایا اور نہ ہی سلسلہ چشتیہ

کے مشاغل و معمولات کو فروغ دیا۔ آپ نے اپنی خانقاہ میں نقشبندیہ طریقہ رائج فرمایا۔ جس کی نسبت آپ کو خاندان نقشبندیہ کے شیخ کامل حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے عطا فرمائی تھی۔ آپ نے اپنے مریدین کی تربیت نقشبندی طریق پر فرمائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ میں روحانی ترقی کا مدار شریعت کی پابندی اور اتباع سنت پر ہے۔ اسی لئے دوسروں کی نہایت نقشبندیوں کی ابتدا میں درج ہوتی ہے۔

آپ نے اتباع شریعت کا ایسا نظام قائم فرمایا کہ خانقاہ عالیہ میں رہنے والے درویش مکمل طور قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھل گئے تھے۔ بہت سے درویش ایسے بھی تھے جو پڑھنا لکھنا بالکل نہیں جانتے تھے لیکن دیکھنے میں یوں لگتا جیسے علماء ہوں، چہرے نورانی، سینے عشق مصطفےٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بھرپور، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق، زہد و تقویٰ اور روحانیت کی اعلیٰ اقدار کے حامل، پابندِ تہجد غرضیکہ یہ تمام برکتیں اس نظام کی تھیں جو آپ نے اپنی خانقاہ عالیہ میں قائم فرمایا تھا۔

اندازِ تربیت

اللہ تعالیٰ کیسے راضی ہوتا ہے!

مخلوق خدا سے محبت اور ہمدردی کا جذبہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ کے انداز تربیت میں اس کی واضح جھلک نظر آتی ہے۔ آپ اپنے ملنے والوں کو اس کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک بوڑھا آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''حضور دعا فرمائیں میں مدینہ شریف جانا چاہتا ہوں''

آپ نے فرمایا:

''کیا تمہارا مدینہ شریف جا کر مرنے کو دل چاہتا ہے؟''

اس نے عرض کیا جی!

آپ نے قدرے پر جلال لہجے میں فرمایا:

''جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو وہ جہاں بھی مرے حقیقتاً مدینہ شریف میں ہی مرتا ہے۔ اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی نہ ہو وہ مدینہ شریف میں بھی مر جائے تو حقیقتاً مدینہ شریف میں نہیں مرتا''

پھر قدرے توقف کے بعد فرمایا:

''تمہیں بتاؤں اللہ تعالیٰ کیسے راضی ہوتا ہے؟''

اس نے عرض کیا جی! فرمایا:

''کسی بھوکے کو کھانا کھلا دیا جائے اور کسی کو بتایا نہ جائے تو اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے۔''

خاموشی اور گفتگو

آپ خاموش رہنے کو پسند فرماتے اور فضول گوئی کو سخت ناپسند فرماتے لیکن حق بات کہنے میں کوئی تامل نہ فرماتے ایک مرتبہ فرمایا:

''میں ساری عمر چپ کی تلقین کرتا رہا لیکن بعض اوقات چپ بھی بندے کو جہنم کی طرف لے جاتی ہے''

مؤدب کلام

آپ اپنے پاس رہنے والے مریدین کی اصلاح و تربیت کا خاص خیال رکھتے انہیں اہل اللہ کے آداب سکھاتے، مہمان نوازی کی تاکید کرتے نیز ان کی اخلاقی تربیت فرما کران کی شخصیت کو نکھارنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ فرماتے تھے بابو محمد یونس (جو کراچی میں صدر کے علاقے میں رہتے ہیں ان کی ڈیوٹی خطوط کے جواب دینے پر تھی) بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک خط آیا جسمیں لکھا تھا:

''میری بڑی بیٹی کا نام عائشہ ہے چھوٹی بیٹی کا نام تجویز فرمادیں'' میں نے دل میں سوچا کہ میری بڑی بھتیجی کا نام عائشہ ہے اور چھوٹی کا نام فاطمہ ہے اس کی بیٹی کے لیے بھی فاطمہ تجویز کرنا چاہیے جب خط لے کر حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے میرے بولنے سے پہلے ہی ارشاد فرمایا:

''فاطمہ دنیا میں ایک ہی ہوئی ہیں باقی سب غلام فاطمہ ہیں''۔

میں بی۔ایس۔سی پاس ہوں

موصوف بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری طبیعت سخت ناساز تھی جمعۃ المبارک کا دن تھا مجھے اتنا تیز بخار تھا کہ جمعہ کے فرض پڑھ کر چلا آیا اور بقیہ نماز پڑھنے کی ہمت نہ ہوئی حضرت صاحب کے کاشانہ اقدس میں پہنچا تو دیکھا کے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چارپائی پر تین اجنبی اشخاص بیٹھے ہوئے ہیں۔ ننگے سر، سگریٹ نوشی کرتے ہوئے اور جوتوں سمیت۔ دیکھتے ہی میرے تن بدن میں آگ لگ گئی کیونکہ ان سب چیزوں کی یہاں سختی سے ممانعت تھی بالخصوص سگریٹ پر تو بہت پابندی تھی اور پھر حضرت صاحب کی چارپائی پر بیٹھنا ادب واحترام کے خلاف تھا میں نے انھیں سمجھایا لیکن انہوں نے میری بات کا برا منایا اور مجھ سے الجھ پڑے ایک شخص کہنے لگا:

میں بی۔ایس۔سی پاس ہوں تم مجھے کیا سکھاؤ گے؟

ابھی میری اوران کی تو تکار جاری تھی کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ جمعہ پڑھا کر تشریف لے آئے اور آتے ہی مجھے مخاطب کر کے فرمایا''

مہمانوں سے جھگڑا نہیں کرتے''

جب ان افراد نے دیکھا کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے جھگڑا کرنے سے منع کر دیا ہے تو ان کے حوصلے مزید بڑھ گئے ایک شخص نے نہایت بدتمیزی سے کہا کہ آپ کس طرح کے آدمیوں کو اپنے پاس رکھتے ہیں کہیں

جنگل سے پکڑا ہوا معلوم ہوتا ہے میں بی ایس سی پاس ہوں مجھے ادب سکھا رہا ہے
۔آپ نے مجھے فرمایا ان کے لیے کھانے کا انتظام کرو مجھے ان پر سخت غصہ تھا لیکن
حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان کے لیے کھانے کا
انتظام کیا پھر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ان کو پنکھے سے ہوا دو تعمیل
ارشاد میں ان کو ہوا دینے لگا جب عصر کا وقت ہوا تو آپ نے فرمایا ان کو وضو کراؤ
میں نے ان کو وضو کرایا جب وہ جانے لگے تو آپ نے فرمایا ان کا سامان اٹھاؤ
اور ان کو اسٹاپ تک چھوڑ کر آؤ جب میں ان کو چھوڑ کر واپس پہنچا تو آپ نے
مجھے بلایا اور فرمایا "وہ میرے پاس تھوڑی دیر کے لیے آئے تھے میرا جو تعلق
تمہارے ساتھ ہے وہ ان کے ساتھ نہیں ہے اصل میں تمہارا ہی کام بنانا مقصود تھا
اب خوش ہو جاؤ" میں خوش ہو گیا چنانچہ حیرت انگیز طور پر اس وقت تک میرا
بخار بالکل اتر چکا تھا اور میں نارمل ہو چکا تھا۔

شکوہ شکایت

حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ شکوہ شکایت کو ناپسند فرماتے اور شکر ادا
کرنے کی تلقین فرمایا کرتے۔

جب جامع مسجد بنانے کا آغاز ہو رہا تھا آپ نے ایک سن رسیدہ شخص جس کا نام
بلند اتھا کو جگہ کی پیمائش کے لئے بھیجا جب وہ واپس آیا تو اس نے شکایت کی کہ
میرے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا ہے آپ نے اس بات کو ناپسند فرمایا اور قدرے
جلال میں ارشاد فرمایا تمہیں وہ بات یاد نہیں جب ہندوستان میں جوانی کے عالم

میں تم چوری کرنے گئے تھے گھر والے جاگ گئے تھے تو تم دیوار پر چڑھ کر بھاگنے لگے تھے اور گھر والوں نے تمھارے سر پر ڈنڈے برسانے شروع کر دیے تھے وہ ڈنڈے تمھارے سر پر لگنے کے بجائے دیوار پر لگے تھے وہ شخص ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور عرض کیا کہ میں اپنی غلطی پر نادم ہوں۔

میں تو رشوت لوں گا

آپ کے پاس جس طرح کے لوگ حاضر ہوتے انہی کے انداز میں بات کرتے آپ کو شریعت مطہرہ کا بہت پاس تھا کوشش فرماتے کہ ہر آنے والا شریعت کے رنگ میں رنگ جائے ایک مرتبہ کچھ ایسے لوگ ایک لاعلاج مریض کو لے کر دعا کے لئے حاضر ہوئے جو رشوت کے لین دین میں ملوث تھے آپ نے فرمایا میں تو رشوت لوں گا انہوں نے سوچا شاید چند روپوں میں بات بن جائے کہنے لگے ہم رشوت دینے کے لئے تیار ہیں آپ نے فرمایا میری رشوت یہ ہے کہ نماز پنجگانہ ادا کیا کریں اور حلال حرام کا پرہیز کیا کریں۔

حلال حرام کا پرہیز

ایک دن آپ مسجد کے صحن میں کیکر کے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے صفیں بچھی ہوئیں تھی کچھ لوگ خدمت میں حاضر تھے ایک کار سامنے سڑک پر آ کر رکی اس میں سے چند آدمی نکل کر آئے اور سلام کر کے دوسری صف میں بیٹھ گئے آپ نے ان کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہاں سے آئے ہو اور کس غرض سے آئے

ہو ایک نے عرض کیا ہم لاہور سے آئے ہیں ایک ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کی یہ آدمی بہت بیمار ہے اسکے لئے دعا کروانے کی غرض سے آئے ہیں آپ نے کوئی دوا تجویز فرمادی اور کہا کہ جاؤ اللہ تعالی اسکو صحت عطا فرمادیں گے انھوں نے دوائی لکھ لی اور پوچھا کہ کوئی پرہیز ہو تو ارشاد فرمائیں آپ نے فرمایا حلال وحرام کی تمیز کیا کرو اور حرام سے پرہیز کرو وہ تھوڑی دیر کے لئے خاموش رہے اور پھر پوچھا کہ کون سی چیزوں سے پرہیز کیا جائے اس پر آپ جلال میں آگئے اور فرمایا جو میں کہتا ہوں اس کا خیال نہیں کرتے جس چیز سے پرہیز ضروری ہے اس طرف توجہ نہیں دیتے اور پرہیز کی رٹ لگا رکھی ہے دراصل وہ لوگ چیزوں کی ناجائز خرید وفروخت اور ذخیرہ اندوزی کرنے والے تھے۔

حضرت آپ کو معلوم ہی ہے!

آپ کی محفل نمود ونمائش سے بالکل پاک ہوتی۔ اخلاص اور سادگی کا حسن ہر آنے والے کو مسحور کر دیتا۔ اگرچہ ہمہ وقت آپ سے کرامات کا صدور ہوتا رہتا لیکن آپ بڑے بڑے دعوے نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس سے آنے کا مقصد معلوم کیا تو اس نے کہا ”حضرت آپ کو معلوم ہی ہے!“ گویا اس نے آپ کے سامنے آپ کے کشف وکرامت کا اظہار کیا جو سادگی اور اخلاص کے سراسر منافی تھا۔ اس کو اس غلطی کا احساس دلانے کے لیے آپ نے شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا اور اس کو وہاں سے نکال دینے کا حکم فرمایا۔

حقہ چھڑانے اور داڑھی رکھانے کا طریقہ

آپ کی طبیعت میں نفاست اور پاکیزگی بدرجہ اتم موجود تھی۔ اسی لئے آپ تمباکو نوشی کو اس کے مضر اثرات، اسراف اور بدبو کی وجہ سے سخت ناپسند فرماتے اور تمباکو نوشی کے عادی لوگوں کی بری عادت نہایت احسن طریقے سے چھڑوا دیتے۔ آپ کے پیر و مرشد حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ شاہ صاحب حضرت کرماں والوں کو حقہ چھڑانے اور داڑھی رکھانے کا طریقہ خوب آتا ہے۔ آپ کی محفل میں جب کوئی خطا کار آتا تو اس کو مخاطب کر کے اس کی اصلاح نہ فرماتے (تاکہ بھری محفل میں وہ شرمندہ نہ ہو) بلکہ کسی دوسرے کو مخاطب کر کے سمجھاتے اور غلطی کرنے والا خوب سمجھ جاتا کہ روئے سخن اسی کی طرف ہے اور پھر وہ اپنی اصلاح کر لیتا۔ حاجی محمد شفیق جو آپ کی خاص محفل کے نعت خواں تھے (الحمد للہ! تا دم تحریر حضرت کرماں والا شریف میں موجود ہیں) حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنی پہلی حاضری کی روداد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "میں سگریٹ نوشی کیا کرتا تھا۔ جب آپ کی خدمت میں پہلی مرتبہ حاضر ہوا تو ایک شخص سفید کپڑے، سفید داڑھی اور نورانی چہرے والا آیا اسکے آتے ہی آپ جلال میں آگئے اور اس کو محفل سے نکال دینے کا حکم فرمایا اور فرمایا لوگ میرے پاس سگریٹ پی کر آجاتے ہیں اور میرے کمرے کو بدبو سے بھر دیتے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ حقیقت میں میری ہی اصلاح مقصود ہے اللہ کا شکر ہے کہ آپ کے کرم سے اس واقعہ کے بعد میں

سگریٹ نوشی کے قریب بھی نہیں گیا۔

یہ تو عوام کی اصلاح کا انداز تھا۔ خواص کو بھی آپ نرالے طریقے سے تبلیغ فرماتے۔ حضرت سلطان المشائخ بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے سجادہ نشین جناب دیوان غلام قطب الدین پاک پتن شریف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کی بہت آؤ بھگت کی۔ وہ حقہ نوشی کرتے تھے۔ آپ نے اپنے لاڈلے بیٹے سید عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ (جن سے آپ بے انتہا محبت فرماتے، آپ کا وصال ۱۹۷۸ء میں ہوا، موجودہ سجادہ نشین سید میر طیب علی شاہ بخاری آپ کے صاحب زادے ہیں) کو حکم فرمایا کہ بہترین قسم کا حقہ تیار کر کے دیوان صاحب کی خدمت میں پیش کریں۔ دیوان صاحب جانتے تھے کہ یہاں حقے پر بہت زیادہ پابندی ہے اور تا حد نظر حقے کا پایا جانا ممکن نہیں۔ جب خود حضرت صاحب نے بطور (مہمان نوازی) حقہ منگوا کر ان کے سامنے رکھا تو بہت نادم ہوئے اور ہمیشہ کے لئے حقہ نوشی ترک کر دی۔

پہلی صف میں داڑھی والے

شعائرِ اسلام کی بقا آپ کو بہت عزیز تھی اس معاملے میں بعض اوقات آپ سختی بھی فرماتے مگر آپ کی سختی میں بلا کی محبت ہوتی۔ آپ کی بابرکت صحبت سے فیضیاب ہونے والے جو لوگ ابھی زندہ ہیں وہ پیرانہ سالی میں ہیں ان سے پوچھ کر دیکھئے یہ تمنا کرتے ہوئے نظر آئیں گے کہ کاش! آپ کی محبتوں اور

شفقتوں بھری ڈانٹ ہی ایک بار سنائی دے۔ دراصل کہے، سنے اور دیکھے میں فرق ہوتا ہے۔

داڑھی شعائرِ اسلام میں سے ہے، اور آپ شعائر اسلام کی بقا کے لیے ہی تو تھے۔کوئی داڑھی منڈا کر آتا تو آپ اس کو داڑھی رکھانے کی بھرپور سعی فرماتے۔نماز باجماعت میں پوری داڑھی والے پہلی صف میں کھڑے ہوتے۔اگر کوئی کلین شیو پہلی صف میں کھڑا ہو جاتا تو اسے پچھلی صف میں کر دیا جاتا اور اس کی جگہ داڑھی والے کو کھڑا کیا جاتا۔ہوسکتا ہے کسی کو یہ بات عجیب لگے لیکن آپ کے اس اندازِ تبلیغ سے بہت سے داڑھی منڈانے والے پابندِ سنت ہو جاتے تھے۔

اسے آپ کی کرامت سمجھئے یا آپ کے اندازِ تبلیغ کی خوبی کہ بعض اوقات کچھ پڑھے لکھے بابو جنہیں سختی سے پچھلی صف میں کر دیا جاتا تھا اور وہ اس میں ہتک محسوس کرتے تھے، نماز کے بعد اس طرزِ عمل کا شکوہ کرتے ہوئے واپس ہوتے لیکن دیکھنے والوں کو اس وقت حیرت ہوتی جب وہی لوگ تھوڑی مدت کے بعد پوری داڑھی رکھ کر پہلی صف میں کھڑے نظر آتے۔

معمولی اسراف سے پرہیز

یوں تو آپ کا دسترخوان بہت وسیع تھا۔بے شمار لوگ روزانہ لنگر شریف سیر ہو کر کھاتے اور ہر آنے والے کو لنگر شریف کھانے کی خاص تاکید ہوتی لیکن آپ کو اسراف بالکل پسند نہ تھا، روٹی یا سالن ضائع کرنے کی قطعی اجازت

نہ تھی۔اسراف سے اجتناب صرف لنگر شریف کے معاملے میں ہی نہ تھا بلکہ آپ ہر چھوٹے بڑے کام میں اسراف سے بچنے کی تاکید فرماتے۔اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مسجد میں نمازیوں کے لیے کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی صفیں بچھائی جاتیں جو معمولی قیمت کی ہوتیں،ان کو بچھاتے وقت صف کی دونوں طرفوں کو تھوڑا تھوڑا موڑ کر پکڑنے کا حکم فرماتے کیوں کہ اس طرح پکڑنے سے صف کے کنارے ٹوٹنے سے محفوظ رہتے ہیں۔بلا شبہ اس قدر تقویٰ اور احتیاط خاصانِ بارگاہ رب العالمین کا ہی خاصہ ہے۔پھر یہ تقویٰ کا نظام فقط خانقاہ کے مردوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ خواتین بھی جو عموماً اس طرح کی باتوں سے شناسائی نہیں رکھتیں خانقاہ عالیہ کے پاکیزہ ماحول میں رہ کر تقویٰ وطہارت کی خوگر ہو گئی تھیں۔

چونکہ پردے کی سخت پابندی تھی اور آپ کی محفل میں مستورات کو آنے کی اجازت نہ تھی اس لیے خواتین کی تربیت کے لیے آپ نے اپنی طیبہ،طاہرہ صاحبزادی رحمۃ اللہ علیہا رحمۃً واسعۃً کثیرۃً کی ڈیوٹی لگادی تھی ۔ان کو" بے بے جی" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔آپ نے بے بے جی کی تربیت اپنی خاص روحانی توجہ اور ہمتِ باطنی سے فرمائی تھی۔یہ آپ کے فیضانِ تربیت کا ہی اثر تھا کہ بے بے جی رحمۃ اللہ علیہا میں تبلیغ دین،خدمتِ خلق،معاملہ فہمی،خداترسی،تقویٰ وپاکیزگی،سخاوت وفیاضی اور اخلاص وسادگی جیسی صفات نمایاں طور پر موجود تھیں۔آپ کی زیر تربیت تہجد گزار خواتین آٹا گوندھنے اور لنگر شریف پکانے سے پہلے وضو کرتیں۔

راقم کی والدہ جنہیں ایک طویل عرصہ بے بے جی کی نگرانی میں لنگر شریف کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی بیان کرتی ہیں کہ لنگر شریف میں منوں آٹا پکتا اور آپ کا دل بالکل تنگ نہ ہوتا لیکن جب کسی عورت کی بے احتیاطی سے کوئی روٹی جل جاتی تو آپ ناراض ہوتیں۔ جب کبھی ملک میں گندم کا بحران آیا تو آپ کا دسترخوان وسیع تو ہوا کم نہ ہوا۔ سبزی چھیلتے ہوئے کوئی خاتون سبزی کا چھیل موٹا اتارتی تو آپ فرماتیں اس طرح سبزی کا گودا بھی چھیل کے ساتھ چلا جاتا ہے اس لیے چھیل پتلا اتارو۔ اس طرح کی احتیاط عام طور پر دیکھنے میں نہیں آتی۔

گوشہ نشینی

آپ رہبانیت کا درس نہیں دیتے تھے۔ آبادی کو چھوڑ کر ویرانوں میں رہنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ عام لوگوں میں رہتے اور دنیا والوں کے ساتھ معاملات فرماتے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ کے ہاں بے جا نفسانی خواہشات کا غلبہ نہ تھا۔ آپ کے ہاں مال و اسباب کی کثرت تھی اور اسے آپ مخلوقِ خدا کی خدمت کے لیے ہی استعمال فرماتے۔ اگرچہ آپ کے پاس مال و زر کی بہتات تو تھی لیکن اس کے ساتھ قلبی رغبت بالکل نہ تھی۔ بعض اوقات آپ اسی کو ترکِ دنیا کا نام دیتے ہوئے اپنا ایک واقعہ خود بیان فرمایا کرتے تھے۔

راقم کو پیر امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (آستانہ عالیہ گھومتہ شریف لاہور) سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، جنہوں نے ایک طویل عرصہ آپ کی

خدمت میں رہ کر روحانی استفادہ کیا ہے۔انہوں نے بیان فرمایا:

میں حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا:

''مجھے خواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت سپاہیے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی۔انہوں نے مجھے ایک گھر دکھایا جس کے دو دروازے تھے۔انہوں نے مجھ سے فرمایا! ایک دروازہ دین کا ہے اور دوسرا دروازہ دنیا کا ہے۔آپ کون سا دروازہ لینا چاہتے ہیں۔میں نے کہا مجھے تو دین کا دروازہ چاہیے۔انہوں نے کہا اگر آپ دین کا دروازہ اختیار فرمائیں گے تو دنیا خود بخود پیچھے آجائے گی۔آپ نے فرمایا یہ تینوں بزرگ تارک الدنیا تھے اس لیے میں نے بھی اس دن کے بعد دنیا چھوڑ دی۔''

جسمانی بیماری کے ساتھ روحانی بیماری کی شفا

آپ کے اندازِ تربیت میں ایک خاص طرح کی کشش تھی۔جو آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف کی فضاؤں میں آج بھی محسوس ہوتی ہے۔کچھ لوگوں کی بیماری ہی ان کی ہدایت کا باعث بن جاتی اور کچھ لوگوں کے مزاج کا اکھڑپن ان کے لئے قربتوں کا سبب بن جاتا۔مقبولیت کا عجب معیار تھا جو دربار عالیہ حضرت کرماں والا میں ہی نظر آتا ہے۔حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے صاحب خلق عظیم بن کر ہر کس و ناکس کو فیضانِ مدینہ کی تقسیم کی۔حضرت کرماں والا شریف میں اس کا مظہر اتم نظر آتا ہے۔

سردار احمد نواز صاحب جو کوئے کی بھاول ضلع اوکاڑہ کے رہائشی ہیں ۔جوانی میں کسی بیماری میں مبتلا ہو گئے ، بڑے بڑے ماہر ڈاکٹر بیماری کی تشخیص سے بھی عاجز آ گئے ۔آخر کار لاہور سے واپسی پر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضری اور دعا کی درخواست پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا:

"کچھ عرصہ یہیں رک جائیں اور لنگر شریف کھائیں اللہ کریم خیر فرما دیں گے۔"

وہ آپ کے حکم کی تعمیل میں حضرت کرماں والا شریف رہنے لگے۔ جسمانی بیماری تو جو ختم ہوئی سو ہوئی لیکن آپ کی صحبت اور انداز تربیت نے ان کے ظاہر و باطن میں انقلاب برپا کر دیا۔ وہ نوجوان جو پینٹ ،شرٹ کا دلدادہ اور مغربی خیالات کا اسیر تھا تھوڑے ہی عرصے میں سنتِ رسول ﷺ کا پیکر بن گیا۔ اپنی گزشتہ زندگی پر وہ کثرت سے آنسو بہاتا اور توبہ کرتا ،طبیعت پر دنیا کی رنگینیوں کی بجائے سوز و گداز اور فکر آخرت غالب آ گیا۔ جب حضرت کرماں والا شریف سے واپس گھر گیا تو جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ روحانی اور ایمانی صحت کی دولت سے مالا مال تھا۔

رسمی بیعت کی بجائے حقیقی بیعت

کسی بے نماز کو ایک ، دو وقت کی نماز پڑھا دینا اگرچہ بہت زیادہ ثواب کا کام ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ ثواب کا کام یہ ہے کہ کسی کی سوچ اور فکر کو دنیاوی خواہشات سے ہٹا کر آخرت کی بہتری کی طرف لگا دیا جائے ۔اس

مادی دنیا کے پیچھے دوڑتے ہوئے انسان کے اندر ایسی روح بیدار کر دی جائے جو اسے اتنا آگے لے جائے کہ دنیا کو اس کے پیچھے دوڑنا پڑ جائے۔ عزت، شہرت اور مال و دولت حاصل کرنے کا جذبہ خدمتِ خلق کے جذبہ میں بدل جائے۔ حضرت صاحب حضرت کرماں والے رحمۃ اللہ علیہ کے اندازِ تربیت میں یہی خوبی تھی۔

آپ مقاصد کو بدلتے تھے۔ منزل بدلتی ہے تو راستے خود ہی بدل جاتے ہیں۔ باطن میں انقلاب آ جائے تو ظاہر میں بھی تبدیلی آ جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ مرید کرتے ہوئے ہاتھ نہیں پکڑتے تھے۔ اگر چہ ہاتھ پکڑ کر بیعت کرنا خلافِ شریعت نہیں ہے لیکن صرف ہاتھ پکڑنے پر ہی اکتفا کرنا اور بیعت کی حقیقت کو قلب و روح پر نافذ نہ کرنا دراصل نفاق کی ایک صورت ہے۔ ظاہر ہے اس طرح کی رسمی بیعت لینا آپ جیسے بلند نگاہ روحانی پیشوا کا معیار نہ تھا۔ اس حوالے سے ہم یہاں ایک واقعہ بیان کر رہے ہیں جو قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔ بابو محمد یونس جو اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں بیان کرتے ہیں:

ایک شخص آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوا۔ جب اپنے گاؤں میں گیا تو (اپنی قسمت پر ناز کرتے ہوئے) اپنے دوست، احباب کو بتانے لگا کہ میں حضرت کرماں والے حضرت صاحب کا مرید ہو گیا ہوں۔ انہوں نے پوچھا:

''کیا تم نے مرید ہوتے وقت اپنے پیر و مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا؟''

اس کہا ''نہیں''۔ لوگوں نے کہا ''تم بیعت ہی نہیں ہوئے ہو''۔

وہ بہت پریشان ہوا اور آپ کو خط لکھا کہ یہاں کے لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ مرید ہونے کے لئے مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دینا ضروری ہے اور چونکہ حضرت صاحب نے تمہارا ہاتھ نہیں پکڑا اس لئے تم ان کے مرید نہیں ہوئے۔ میں (یعنی بابو محمد یونس) اس کا خط لے کر آپ کی خدمت میں پہنچا اور سارا واقعہ عرض کیا۔ آپ چارپائی پر آرام فرما تھے۔ میری بات سن کر جوش میں آگئے اور اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ فرمایا:

''میں ہاتھ میں ہاتھ نہیں پکڑتا ہاتھ میں دل پکڑ لیتا ہوں۔''

پھر تھوڑی دیر توقف فرمایا اور مجھے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

''اسے لکھو! اگر مجھے کوئی خط لکھے تو میں اسے بھی مرید کر لیتا ہوں۔''

میں واپسی کے لئے اٹھنے لگا تو فرمایا:

''بیٹھ جاؤ! اسے لکھو! اگر کوئی پیغام بھیج دے تو اسے بھی مرید کر لیتا ہوں۔''

اس کے بعد تھوڑی دیر خاموش رہے۔ میں پھر اٹھنے لگا تو فرمایا:

بیٹھ جاؤ! (آپ پر عجب جلالی کیفیت تھی۔)

پھر فرمایا:

''اسے لکھو! اگر مجھے کوئی گھر بیٹھ کر یاد کرے اسے بھی مرید کر لیتا ہوں۔''

بابو محمد یونس صاحب بیان کرتے ہیں کہ آپ ہمیشہ اپنے مُریدین کو بیلی (یعنی دوست) کہہ کر پکارتے تھے لیکن اس دن پہلی بار میں نے حضرت

صاحب سے مرید کے لئے ''مرید'' کا لفظ سنا۔

دل کی روشنی

اس گفتگو سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ آپ ایک روحانی پیشوا ہونے کے ناطے صرف باطن اور روح کی صفائی پر ہی زور دیتے تھے اور ظاہر پر توجہ نہیں دیتے تھے۔ دراصل بات یہ ہے کہ آپ لوگوں کی اصلاح فرماتے تھے۔ جہاں کہیں باطن میں کمی ہوتی وہاں روحانیت اور طریقت کی بات کرتے اور جہاں ظاہر کی درستگی کی ضرورت ہوتی وہاں عمل، اسوۂ حسنہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی بات کرتے۔

مولانا محمد اکرام صاحب نے اپنی کتاب ''معدنِ کرم'' میں ظاہر کی اصلاح کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ایک دن آپ عقیدت مندوں کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ ایک تعلیم یافتہ نوجوان آئے اور خاموشی سے مجلس میں آکر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد آپ اس نوجوان کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا:

''بابو جی آپ کیسے آئے ہیں؟''

نوجوان نے جواب دیا:

''حضرت دل کا مریض ہوں، اس کے علاج کے لئے حاضر ہوا ہوں۔''

آپ نے ذرا زوردار لہجہ میں فرمایا:

''میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

نوجوان نے عرض کیا:

''حضور دل کی روشنی کا متلاشی ہوں۔''

آپ نے فرمایا:

''مجھے روشنی اور اندھیرے سے کیا سروکار ہے۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ مسلمان سنتِ نبوی کا پابند ہو اور حضور نبی اکرم ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کے مطابق زندگی بسر کرے۔ پھر نہ کسی اندھیرے کا ڈر باقی رہتا ہے اور نہ کسی اور روشنی کی تمنا باقی رہتی ہے۔''

مزید ارشاد فرمایا:

''نماز باقاعدگی سے ادا کریں۔ رزقِ حلال کے حصول کی کوشش کریں۔ کسی کی حق تلفی نہ کریں اور ظاہری شکل وصورت بھی مسلمانوں جیسی بنا لیں تو کوئی کمی نہیں رہے گی۔''

ایک طرف باطن کی صفائی کا اتنا خیال اور دوسری طرف ظاہر کی اصلاح پر خصوصی توجہ۔ شریعت، طریقت اور حقیقت کا اتنا حسین امتزاج تصوف کی تاریخ میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ ایسا حسن اور ایسی کشش درحقیقت نقشبندیت میں پختگی کا نتیجہ ہے۔ کئی طریقوں سے چھن چھن کر آنے والے فیضانِ کرم کا ایسا چشمہ صافی ہیں جس سے بے شمار پیاسی روحیں سیراب ہوئیں۔ بہت سے دل واصل باللہ ہوئے۔ بہت سے گمراہوں کو ہدایت ملی۔

ریاکاری سے نفرت

آپ کی محفل میں رسمی نعروں کی کوئی جگہ نہ تھی۔ کوئی یونہی ''اللہ ھو'' کا نعرہ لگاتا تو آپ سخت ناپسند فرماتے اور بعض اوقات تو اس کی تربیت کی خاطر اسے محفل سے بھی نکال دیتے۔ ریاکاری سے بچنے کی جتنی تاکید آپ کے ہاں نظر آتی ہے اور جس طرح سے نفلی عبادت میں اخفاء آپ کے تربیت یافتوں میں نظر آتا ہے فی زمانہ نقشبندیوں کے ہاں بھی شاید ہی کہیں ایسا دکھائی دے۔ راقم کے والد جنہیں نوعمری سے ہی آپ کی نسبت اور صحبت کی سعادت میسر آگئی تھی، فرماتے ہیں درویش تہجد کے وقت اٹھتے اور دبے پاؤں وضو خانے تک جاتے، کسی آہٹ کے بغیر وضو کرتے اور اندھیرے میں چپکے چپکے تہجد ادا کرتے کہ کہیں ایسا نہ ہو آہٹ سے کسی کی آنکھ کھل جائے اور وہ ہماری عبادت پر مطلع ہو جائے۔

آپ مقامِ مشاہدہ میں تھے کہ جو کہتے تھے وہ دیکھ کر کہتے تھے اور جو بتاتے تھے وہ دِکھا بھی دیتے تھے۔ اکثر فرماتے:

''رسول اللہ (ﷺ) کی بڑی شان ہے، رسول اللہ (ﷺ) کی بڑی شان ہے، رسول اللہ (ﷺ) کی بڑی شان ہے''۔

اتنی بار فرماتے کہ سانس ختم ہو جاتا۔ یوں لگتا جیسے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوں اور براہ راست کمالاتِ نبوت سے فیض یاب ہو رہے ہوں۔ ایک بار تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا:

''اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہیں مہینے بعد رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوتی ہے، کچھ کو ہفتے بعد آپ کی بارگاہ میں حاضری میسر آتی ہے، کچھ ایسے ہوتے ہیں جو روزانہ حضور نبی کریم ﷺ کی کچہری میں حاضر ہوتے ہیں، میاں صاحب (یعنی پیرومرشد حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ) کی مہربانی سے ہمارا تو چوبیس گھنٹے ہی سونج لگا رہتا ہے''۔ (یعنی ہروقت بارگاہِ نبوت میں حاضری رہتی ہے)

یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے، تصوف اور روحانیت کی تاریخ میں ایسی شخصیات اگرچہ کم ملتی ہیں لیکن ملتی ضرور ہیں۔ امام محمد یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''جامع کراماتِ اولیاء'' میں اور سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ''روح المعانی'' میں نقل کیا ہے کہ حضرت احمد بن عمر انصاری ابوالعباس مری مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''چالیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے کہ میں حضور سید المرسلین علیہ السلام کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا۔ اگر آپ علیہ السلام آنکھ جھپکنے کی دیر بھی مجھ سے اوجھل ہو جائیں تو میں اپنے آپ کو مسلمان نہ سمجھوں''۔

شاید کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ وسوسہ گردش کر رہا ہو کہ اتنے بڑے دعویٰ کو بغیر کسی دلیل کے کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟۔ اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ یہ بات بالکل بجا ہے، اتنا عظیم دعویٰ کسی مضبوط دلیل کے بغیر تسلیم نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ بات ایسے شخص کے حق میں کہی جا سکتی ہے جو غیر معروف ہو اور اس کی عدالت وثقاہت کے بارے میں کوئی شک پایا جائے ،اور اگر شخصیات ایسی

ہوں کہ جن کا تقویٰ اور بزرگی مسلمہ ہو، جن کی صداقت و عدالت کا اک زمانہ گواہ ہو، جنہیں دیکھنے سے خدا یاد آتا ہو، جن کا ہر کام شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہو، جن کی کرامات بارش کے قطروں سے بھی زیادہ ہوں، وہ کوئی بات کہیں اور وہ بات شریعت سے متصادم بھی نہ ہو تو اس بات کو مان لینے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ان کی کتابِ زندگی کا ایک ایک حرف سچائی کے نور سے چمک رہا ہے اور ان کے فضائل تواتر کے ساتھ ثابت ہیں اور یہی چیز ان کے دعویٰ کی سچائی پر دلیل ہے۔

اللہ کے بندے کا دروازہ

اتباعِ سنت کا جو معیار آپ کے ہاں تھا وہ عظیم نقشبندی صوفیاء کا ہی طرۂ امتیاز ہے۔ اگر کوئی اس معیار کو مسلکی تفرقات کی بنیادوں میں تلاش کرنا چاہے تو ہرگز نہیں کر سکتا کیونکہ تمام مسالک والے آپ کی طرف راجع تھے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں گویا آپ مرجع خلائق تھے۔ لیکن برا ہو حسد کا کہ بڑے بڑوں کو نہیں چھوڑتا۔ اور کچھ لوگ تو آپ کو دیوبندی، وہابی بھی کہہ دیتے تھے پر آپ نے کبھی کسی پر اس کے مذہب یا مسلک کے حوالے سے کیچڑ نہیں اُچھالا۔ یقیناً آپ کا منصب ہی یہی تھا۔

راقم کو بابو یونس صاحب (ان کا تعارف پیچھے گزر چکا ہے) نے بتایا کہ میں اور میرا ایک عزیز کسی کام سے فیصل آباد گئے۔ میرا وہ عزیز بھی حضرت

صاحب کا مرید تھا اور بہت خوش عقیدہ تھا۔ اس نے کہا یہاں فیصل آباد میں ایک بہت بڑے عالم اور شیخ الحدیث ہیں کیوں نہ ان کی زیارت کو چلیں، ان کے پیچھے نماز بھی پڑھیں گے اور ان سے ملاقات کا شرف بھی حاصل کریں گے۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی حامی بھر لی۔ چنانچہ ہم دونوں شیخ الحدیث صاحب کے مدرسے میں جا پہنچے۔ ان کے پیچھے نماز ادا کی اور نماز کے بعد ان کی دست بوسی کر کے باادب ہو کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے ہمیں پوچھا:

"کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"۔

ہم نے عرض کیا:

"حضرت کرماں والا شریف (اوکاڑہ) سے"۔

پوچھا "کیا ان کے ملنے والے ہیں؟" (یعنی کیا ان کے مرید یا عقیدتمند ہیں)

ہم نے عرض کیا: "جی"۔

فرمانے لگے:

"شاہ صاحب تو وہابیانہ خیالات رکھتے ہیں"۔

یہ سنتے ہی ایک مرید کے دل میں اپنے پیر کی جو عقیدت و محبت ہوتی ہے میرے دل میں جاگ اٹھی۔ مجھے ان کی اس بات پر بہت غصہ آیا اور میرے دل میں جو شیخ الحدیث صاحب کی قدر و منزلت تھوڑی دیر پہلے پیدا ہوئی تھی وہ جاتی رہی۔ میں نے اپنے عزیز کو کہا فوراً اٹھ کھڑے ہو اب میں ایک منٹ بھی

یہاں نہیں بیٹھوں گا۔میرا عزیز بہت ٹھنڈے دماغ کا تھا۔اس نے مجھے پھر زبردستی بٹھالیا اور حضرت سے پوچھا:

''آپ نے ہمارے حضرت صاحب کے متعلق اس طرح کیونکر کہہ دیا ہے؟''

انہوں نے کہا:

''شاہ صاحب نے اپنے آستانے پر نہ تو کوئی یا رسول اللہ کا بورڈ لگایا ہے اور نہ ہی کوئی جھنڈا لگایا ہے۔ اس طرح کیسے پتا چلے گا کہ وہ دیوبندی ہیں یا بریلوی؟''

میرے عزیز نے جس طرح کا بن پڑا انہیں جواب دیا اور پھر ہم وہاں سے اٹھ گئے۔

جب فیصل آباد سے واپس حضرت کرماں والا شریف لوٹے اور حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے خود ہی پوچھنا شروع کردیا۔جب شیخ الحدیث صاحب کا ذکر آیا تو میں پورا واقعہ جوں کا توں عرض کردیا۔آپ نے سن کر فرمایا:

''اللہ کے بندے کا دروازہ اس کی مخلوق کے لئے ہر وقت کھلا رہتا ہے۔''

اتباع سنت میں درجہ کمال

اتباع سنت میں درجہ کمال تک پہنچنا ہی دراصل تصوف کی معراج ہے

اور آپ یقیناً اس معراج کو پہنچے ہوئے تھے کیونکہ اتباع کا نور آپ پر اس قدر غالب آچکا تھا کہ تابع اور متبوع ﷺ میں دوئی کے پردے اٹھتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ اہل نظر کا مشاہدہ اسی طرح ہے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ اتباع کے وہ ساتوں مدارج طے کر چکے تھے جو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں نقل فرمائے ہیں۔ ہم پہلے قارئین کے ذوق مطالعہ کے لئے ساتوں مدارج اختصار کے ساتھ نقل کریں گے اور پھر ایک صاحب بصیرت کا چشم دید حال مستند حوالے سے نقل کریں گے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اتباع سنت کا پہلا درجہ عوام اہل اسلام کا ہے جو کہ شریعت کے احکام اور اور سنت کی پیروی سے وابستہ ہے جب کہ اس کے ساتھ دل کی تصدیق تو ہو لیکن اطمینان نفس ابھی حاصل نہ ہوا ہو۔ کیونکہ اطمینان نفس درجہ ولایت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور علماء ظاہر اور وہ زاہد اور عابد لوگ جن کا معاملہ ابھی اطمینان نفس کے ساتھ وابستہ نہیں ہوا، سب اسی درجہ متابعت میں شریک ہیں۔ اور اتباع کی ظاہری صورت کے حصول میں سب برابر ہیں اور چونکہ نفس اس مقام میں کفر اور انکار سے آزاد نہیں ہوتا تو لازمی طور پر یہ خاص درجہ متابعت کی صرف صورت رکھتا ہے۔ اور متابعت کی یہ صورت حقیقی متابعت کی طرح آخرت میں کامیابی اور خلاصی کا ذریعہ ہے۔ اور جہنم کے عذاب سے نجات اور جنت کے داخلے کی بشارت دینے والی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی کمال بخشش سے نفس کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں کیا اور صرف دل کی تصدیق پر کفایت فرمائی ہے۔ نجات کا

دارومدار اسی تصدیق پر رکھا ہے۔

متابعت کا دوسرا درجہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال واعمال کی اتباع ہے۔ جو کہ باطن سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں اخلاق کی تہذیب اور رذیل صفات کی مدافعت اور امراض باطنی اور معنوی بیماریوں کا ازالہ ہے۔ جو کہ طریقت کے مقام سے متعلق ہے۔ اور اتباع کا یہ درجہ ان ارباب سلوک کے ساتھ خاص ہے۔ جنہوں نے صوفیاء کے طریقہ کو اپنے شیخ سے اخذ کیا ہو۔ اور سیر الی اللہ کے صحراؤں اور بیابانوں کو قطع کر رہے ہوں۔

متابعت کا تیسرا درجہ آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کے احوال اور اذواق اور مواجید کی متابعت ہے۔ یہ درجہ ولایت خاصہ کے مقام سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ ان ارباب ولایت کے ساتھ خاص ہے۔ جو کہ مجذوب سالک ہوں، یا سالک مجذوب۔

متابعت کا چوتھا درجہ وہی ہے جو کہ پہلے درجہ میں تھا لیکن پہلے درجے میں اس کی صورت تھی اور اس درجہ میں اتباع کی حقیقت ہے۔ اور یہ چوتھا درجہ علماء راسخین کے ساتھ مخصوص ہے۔ جنہیں نفس کے اطمینان کے بعد متابعت کی دولت سے میسر آگئی ہے۔ اولیاء اللہ (قدس تعالےٰ اسرارہم) کو ہر چند تمکین قلب کے بعد ایک طرح کا اطمینان نفس حاصل ہوتا ہے۔ لیکن نفس کو کمال درجہ کا اطمینان کمالات نبوت کے حصول سے حاصل ہوتا ہے۔ جو کہ بطریق وراثت علمائے راسخین کو کمالات حاصل ہوتے ہیں۔

متابعت کا پانچواں درجہ آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کے

کمالات کی اتباع کا ہے۔ ان کمالات کے حصول میں علم اور عمل کو کوئی دخل نہیں ہے۔ بلکہ یہ صرف اللہ تعالےٰ کے فضل واحسان سے وابستہ ہے۔ اور یہ نہایت ہی بلند مقام ہے۔ پہلے ذکر شدہ مراتب کو اس مرتبہ سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

اور متابعت کا چھٹا درجہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان کمالات کی اتباع ہے۔ جو آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جس طرح درجہ پنجم میں کمالات کا فیضان صرف فضل اور احسان سے تھا۔ اسی طرح اس چھٹے درجہ میں آنحضرت ﷺ کے کمالات کا فیضان صرف محبت سے ہے جو کہ پہلے والے فضل اور احسان سے بلند ہے۔ اور متابعت کا یہ درجہ بھی بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے۔ جو نزول وہبوط سے تعلق رکھتا ہے۔ اور متابعت کا یہ ساتواں درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے۔ اس لئے کہ اس مقام میں نزول بھی تصدیق قلب اور اطمینان نفس ہے۔ اور جسم کے عناصر اربعہ کا اعتدال بھی اس میں ہے کہ وہ سرکشی اور نافرمانی سے بعض آ جاتے ہیں۔ یوں سمجھیں کہ پہلے درجات اس متابعت کے اجزاء تھے۔ اور یہ درجہ ان کے لحاظ سے کل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس مقام میں پہنچ کر تابع اپنے متبوع سے اس طرح کی مشابہت پیدا کرلیتا ہے۔ کہ گویا پیروی (تبعیت) کا نام درمیان سے اٹھ جاتا ہے۔ اور تابع سے اپنے متبوع کا امتیاز دور ہو جاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تابع اپنے متبوع کی طرف سے جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے۔ وہ اصل سے براہ راست حاصل

کرتا ہے۔ گویا دونوں ایک ہی چشمے سے پانی پیتے ہیں۔ اور دونوں ایک ہی پہلو کی آغوش ہیں۔ اور دونوں ایک ہی بستر میں ہیں۔ اور دونوں شیر وشکر کی طرح ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ تابع کہاں ہے؟ اور متبوع کون اور تبعیت کیسی؟ اتحاد نسبت میں تقاسیر نسبت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ اس مقام میں جتنا بھی گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ پیروی کی نسبت بالکل معلوم نہیں ہوتی۔ اور تابعیت اور متبوعیت کا کوئی امتیاز نظر نہیں آتا۔ بس اتنا ہے کہ تابع اپے آپ کو طفیلی سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو نبی کے کمالات کا وارث جانتا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ جو دولت بھی آئی ہے۔ وہ اصل میں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے آئی ہے۔ اور امتوں کی سعادتمندی اس میں ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی طفیل اس دولت سے فائدہ حاصل کریں۔ اور ان کا بچا ہوا تناول فرمائیں۔

کامل متبع وہ شخص ہے۔ جو ان سات درجات ہیں، پوری طرح متابعت سے آراستہ ہو۔

(مکتوب نمبر 54 مکتوبات امام ربانی، حصہ ہفتم، دفتر دوم)

محترم قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جس سعادتمند کو سنت کی پیروی کا ساتواں درجہ حاصل ہوتا ہے وہ فنافی الرسول کے اس مقام پر ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی اور صفاتی خصوصیات کو فنا کر کے رسول ﷺ کی ذات وصفات کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔

حضرت صاحب حضرت کرماں والے اسی عظیم مقام پر فائز تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ایام مرض میں آپ کا سایہ باقی نہ رہا تھا اور یہ مقام رسول اللہ ﷺ کے خصوصی کمالات کی اتباع کی وجہ سے تھا۔

نقشبندی خصوصیت ''اخفا'' کی تربیت

حاجی محمد شفیق صاحب نے (ان کا تعارف گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے) جو آپ کی قریبی خدام میں سے ہیں اور ماشاء اللہ ابھی تک بخیر و عافیت بقید حیات ہیں راقم سے بیان فرمایا:

حکیم شیر محمد (ان کا تعارف بھی گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے) اہل محبت میں سے تھے، ان کو حضرت صاحب کی محبت، صحبت اور متابعت کے اثر کی وجہ سے بصیرت اور روحانیت کا وہ درجہ حاصل تھا کہ اپنے مرشد کے خصوصی روحانی کمالات کی بعض جھلکیاں نظر آجاتی تھیں۔ ایک مرتبہ حکیم شیر محمد حاضر خدمت تھے۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیت الخلاء میں جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ آپ کو ایام مرض میں شدید ضعف اور جسمانی کمزوری لاحق تھی جس کی وجہ سے رفع حاجت کے لیے جب ضرورت ہوتی تو فی الفور پردہ کر کے عارضی بیت الخلاء بنا لیا جاتا تھا۔ قریب ہی عارضی بیت الخلاء بنا لیا گیا۔ جب آپ اٹھ کر بیت الخلاء میں گئے تو حکیم شیر محمد نے دیکھا کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔ جب بغور دیکھنے کے باوجود انھیں آپ کا سایہ نظر نہ آیا تو دل میں سوچا کہ جب آپ واپس تشریف لائیں گے تو ضرور اس بات کی تصدیق کروں گا۔ بات حیران کن بھی تھی اور پر اسرار بھی۔ لیکن حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیت الخلاء سے چل کر چارپائی

تک آنے سے انکار فرما دیا۔ گویا جسمانی کمزوری کا عارضہ ظاہر فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے حکیم شیر محمد کو جنھوں نے دل میں آپ کے سایہ کے نہ ہونے کی تصدیق کا خیال کیا تھا، وہاں سے نکال دینے کا حکم فرمایا۔

بظاہر ان کی کوئی غلطی نہ تھی لیکن آپ اپنے بارے میں اس طرح کی بات کا مشہور ہونا ناپسند فرماتے تھے۔ اور آپ کا یہ خاص طریقہ تھا کہ اگر کسی کے دل میں آپ کی کوئی کرامت ظاہر کرنے کا خیال ہوتا تو یا تو اسے محفل سے ہی نکال دیا جاتا یا پھر اسے اتنا ڈانٹتے کہ وہ کرامت کو بھول جاتا اور آپ کی ناراضگی دور کرنے کی فکر میں لگ جاتا۔ حکیم شیر محمد کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ کئی روز تک انھیں حاضری کی اجازت نہ ملی۔

حاجی محمد شفیق فرماتے ہیں کہ ایک دن انھوں نے میری منت سماجت کی کہ مجھے حاضری کی اجازت لے دو۔ میں نے انھیں کہا'' حضرت صاحب تشریف فرما ہیں، تم آ جاؤ۔ اگر آپ نے دوبارہ سے نکل جانے کا حکم دیا تو واپس چلے جانا اور اس میں کوئی بے عزتی کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت صاحب ہمارے پیر و مرشد ہیں، کوئی شریک تو نہیں ہیں۔ مرشد کی بات خواہ کیسی ہی ہو اس میں برا نہیں منانا چاہیے۔

یہ سن کر حکیم صاحب دل ہی دل میں مطمئن ہو گئے اور میرے (یعنی حاجی صاحب کے) پیچھے پیچھے آئے اور حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے انھیں دیکھتے ہی فرمایا'' حکیم صاحب! میں آپ سے ناراض تو نہیں ہوں۔'' حکیم صاحب یہ سن کر دھاڑیں مار کر رونے لگے۔ اور حضرت صاحب بار بار یہی

غور طلب!

"صاحب طریقت، سجادہ نشین یا پیران عظام اگر لوگوں کی ارواح کو پاک کر رہے ہیں اور ان کا تزکیہ کر رہے ہیں تو پھر تو وہ اپنی مسند کا حق ادا کر رہے ہیں لیکن اگر ان کا مقصد صرف ضیافت، سلام کروانا، نذرانے وصول کرنا اور اپنی Ego (انا) کو تسکین دینا ہے، کبھی اجتماع دیکھ کر، کبھی نعرے سن کر، کبھی القاب سن کر تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ اپنی مسند کا حق ادا نہیں کر رہے۔ بلکہ یہ رہبانیت ہے۔ جو اللہ والے ہوتے ہیں وہ لوگوں کا تزکیہ کرتے ہیں۔"

بابا جی سید میر طیب علی شاہ بخاری سجادہ نشین حضرت کرماں والا شریف کا
28 فروری 2006 کو سالانہ عرس کی آخری نشست سے خطاب